

## ترتیب

7	توپ
16	تنبیم
29	رات پیتہ رہی ہے
37	حلاش
51	سنگ دل
65	مسکن
72	شب خون
98	تو تا کہانی
106	عجیب بادشاہ
119	پندرہ اہن کر سبج صلی میں
135	اے اے
159	پنا ہیں
176	فی

## توبہ

میرے اس طرح ایک دم سگریٹ چھوڑ دینے پر بھی حیران ہیں اور جب کوئی مجھ سے اس کی وجہ پوچھتا ہے تو آپ اسی کہیے میں کہا جواب دوں۔ یہی تاکہ معطر چیز بھی چھوڑ دوں۔

جب میں نے شاداع نام میں سگریٹ پینے شروع کر کے تو اتنی نے دن دن کے ساتھ میرے ہاتھ پر رکھ کر کہا ”مے آج سے توبہ کر کے آئندہ سگریٹ پیوں تو اپنی اپنی کا خون پیوں۔“ میں نے ٹوٹ جیسے میں ڈال لیے۔ کان کھلایا تاکہ صاف کی۔ گٹھ کی خراش در در کے الٹی لے گئے میں پاؤں ڈال رہا اور توبہ کر لی۔ انہوں نے فرط محبت سے میری پیشانی چوم لی۔ وہ میری صحت کے تحفظ پر اپنی ہر بات پر پیشانی رکھتی تھیں۔

”میرے دن جب وقت دیکھنے کے لیے انہوں نے میرے کوٹ کی گھٹ جیب میں ہاتھ ڈال دیا جہاں بھٹ فیور لیوا کے ملازکی ایک ڈیباڑی بھی تو میں نے کر دت بدل کر دیواری طرف دے کر لیا۔ جسم پر سب سے پہلی سی بو میں ہوئی اور میں اس کے ذوق میں رہا اور ایک بوسہ میرے ماتھے پر ”اٹنی غلہ جس میں“ کے پسز کی طرح چوست گئے۔ اتنی نے کہا ”پو نے دس“ اور اپنی لٹا فے پہنے لکھ کر بولے ”لے یعنی زے ساتھ ایک سورا کرنے ہیں اعجاز“۔ ”کیا“ میں نے پھر کر دت دی۔ ”نثر یہ سگریٹ جینا چھوڑ اور اس کے عوض جو انعام چاہتا ہے ہم سے لے مگر ہو جادری بسا د میں۔“ اسی کا چہرہ ہم بھر کے لیے متغیر ہوا۔

پھر انہوں نے رُوئی کی ایک جھوٹی سی پھر بری ”میں کھڑ“ سے زکر کے روناہ میں کھلی اور گردن شینے سے ہاتھ لگیں۔ روناہ آواز جو دردی تھیں۔ گل ہی انہوں نے ہیں رو بہ کار اڈا ہا سے چہرے ہنیر لکھا تھا اور بارگلی تھیں۔ ”سی“ کرنے ہوئے دوا اپنی ہار بھی پھر بری کے ساتھ گردن شینے

کی مدت سے ڈھائی سو روپے۔

”مجھے منظور ہے۔“ میں اُنھیں کرچہ دیا۔

”تو بتا پھر؟“

”سائیکل لے لو دیجیے۔“ مجھے اس کی سخت ضرورت تھی۔

”مگر تیرے پاس ہے جو۔“ وہ حیران رہ گئے، جیسے میں اسے کُرونی رکھنا چاہوں۔

”وہ دل سائیگیا ہے۔“ اٹھتا ہے اپنے چہرے پر غم اور حسرت کی ساری علامتیں سج کر کے کہا، ”چلتی ہے تو ایسا معنوم، ہوتا ہے جیسے کوئی پھینٹے ہوئے بسول لنگڑی سے پیٹ رہا ہو۔“

”کہہ جیو یا مٹی سے دیجیے۔ اب میں اس سانپ پر چڑھ جاتا ہوں! اچھا لگتا ہوں کیا؟“

— ایس۔ اے سے اچھا بالکل ہے۔ فورسور سے کاغذ مصورت اور مضبوط کا مضبوط۔ میں قوی ہوں گا۔“

— واقعی سب تمہارا ہے۔ بے پناہی۔“ وہ غور غور بی۔ ایس۔ اے کے کچلندر کرتے تھے۔ میں

خیر نہیں بھڑا۔“ بالکل کارہی۔“

”مگر تیرے چلنے والوں میں؟“ ”اُوہ تو جانتے ہوئے ہوئے۔ میں دیر پہلے دیکھ چکا تھا۔ میری  
 بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اچھا مل جائے گی مگر اس شرط پر کہ پھر بھی مگر میں روایتاً کچھ نہ  
 لگاؤں۔ اب جاننا چاہئے مگر یوں سے سنبھالنا تھا۔ اب کو میری دست و پائی کے لیے ایک  
 بدلہ ملے۔ اسے مانگیں، شرفا کی جادوئی کی۔ اب جان کو میری محنت سے زیادہ اپنے سترے یوں کی  
 کھڑکی جو آئے دن ان کے آگے سے انوار کھیلے جاتے تھے۔ جب تک سارنگیل کھڑکی کھلی تھی ہم  
 لے سگریٹوں کی طرف اُٹھ آتھا کمر بھی نہ دیکھو۔ اسی ایک خیال میں تنہا دل کو تسلی دیا رہا۔ نشہ کی  
 طلب ہوئی تو ٹھنڈے پانی کے دو گلاسوں میں حل کر لیئے۔ اس سے تسکین بھی ہوتی اور  
 تنگ بھی نہیں اور جس دن بدھو کی مار ک سارنگیل جادو سے پتھر کی توڑ کر پتھر کے تھکے کی  
 ”لڑائی“ جیتے پائے سے بسا کی دکان پر پہنچی کر چپکے سے کوڑھ لک ایک ٹیبا کسٹ گیا جب سے ڈال  
 لی۔ دل کی رفتار میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ گردن کا کیا ہے نہ تو صبر نہ کھائی دیتا ہے۔ آہستہ آہستہ  
 راجا بھی۔

نوحہ غم اور فتنہ شادی و نکاح پر درجہ زیریں ہے اور ہم اس وقت فتنہ شادی والے

بچے کو اپنا ہوتے تھے۔ دونوں بھائیوں کی شادی ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں ہوئی تھی۔ گھمسان کارن تھا۔ خوب من و مایہ تھا۔ ہر کوئی ان کی اسی اور آج دھانی کا جشن منایا ہو گا۔ سامنے کے میدان میں رات کے لیے کھانا لکڑی کا تھا۔ وہیں بڑا کھل خنہ اور مورتیاں تھیں۔ گنگنیں۔ رات بڑھنے کے لیے دھبہ رنگی جھنڈا اور اٹھنے پیمے پہلہ لگا رکھے تھے۔ ہر دروازے پر شہرے خرفوں والا، لپٹا کپڑا اور ہال کی خاٹھی لٹکے۔ ہاتھ اور سرے پر سونے کے ایک اسٹور میں ایک گلاباؤڑ کا پتلی کی طرح کھپا دیا گیا تھا جیسے دیو کی کے پنوں میں کی بہت ہی بھونکنے والے تھے کوہنہ وال کراہندہ ہو۔

بچھے جس کمرے میں چنگی دواہم چھتری تھی۔ مگر یہ جہاں آتا دھن سے آ کر  
کوئے میں۔ وہاں دو چہرے پائیاں تھیں۔ ایک کی اور دوسری کسی مگر یہ پتھری چار پائی بچھ نہ سکتی  
تھی صرف ایک ہی بچھ سکتی تھی کیونکہ اس خالی جگہ میں اس قسم کی متعدد چہرے پائی ہیں جو اٹھائی  
نہ چھ سکتی تھیں یا جن کے سینے پر کوئی دھیان ہی نہ دے گا قطعاً چار پائی چار چھوٹا سا بانٹوٹے  
ہوئے آٹھ اٹھارہ یا چار چھوٹا سا بانٹوٹے سب برف جھانے والی دھن کے چند حصے۔ ایسی  
جیز پر تو گھر میں کسی جگہ نہیں ہیں اور نہ ہی باغیچہ کے پتھر پر۔ چھتری کے مہمان کے لیے  
کوئی دواہم سوزوں نہیں ہو سکتی۔ چھتری نہ مگر ہوتی ہے نہ ہوا رواں کچھا کچھا چہرے کو ساں لے مارا  
تھا۔ میرے ساتھ ایک نیا دواہم صاحب بھی تھے۔ یہ ہمارے ساتھ برات میں آئے تھے یا بالکی  
والوں سے کوئی رشتہ دار تھے اس کا نہیں پتہ۔ بہر حال ان کا ہنر دوسری چار پائی پر لگا رہا تھا مگر  
اس ہنر کو ان کا شرف حاصل نہ ہوا۔ کھنٹی پر دوڑی لڑکا کردہ ایسے خائب ہوئے کہ ان کی آمد  
یقین ہی نہ ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی پردہ نشین ہے اگر چہ گاؤں کی طرح خود بخود  
نکلتی ہے۔

سراجھ والے کمرے کی دو کرسیاں جھنڈی میں کھلی تھیں۔ یہاں دونوں بیٹیں ناچنے  
بیچنے لگیں۔ کسی کچھ۔ ایک ہی تھمر پھسرا دانی دھن کی آواز اس کمرے سے بلند ہوتی اور پھر  
خاموشی چھو جاتی۔ پھر کبھی ایک طرف بہرہ پر ایک گامزن اور ایک اسیٹلی کا زبردست جھانکا۔ یہاں سے  
دو تاریں دھڑکتا رہتا۔ بندہ ہوتے جو تھوڑے کچھ جھانکا اور سر پانے کی طرف ایک چٹائی تھی۔ اس  
پر ایک پٹلا اور سال ادوار کا روچھن گزارا۔ اچھا اور اچھا پڑا تھا۔

ٹیپائی پر سیایا جے ہوئے دودھ اور اکھڑے ہوئے پالش کے نشان تھے۔ روپوارہ زمین



ظہیر بھی جعفری میں آئے۔ مجھے اس طرح بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ "اے تم یہاں ہو۔ شادی میں کیا رہو کھانا چھوڑ رکھا ہے۔" انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "میں اس آئے ہو تو روٹاں لڑاؤ۔ اسے سوتے ہو تو بیٹا ملا کر لے۔" کچھ بے پریشی سے "مجھے ان کی بے وفائی آمد ہی معلوم ہوئی۔" ہم "ہم سے جڑا جائے تو کیا ہو" سوچ رہے تھے اور وہ "آج سے" "آج سے" "پریکٹس؟" میں نے انہوں کو "تھوڑی سی ہے۔ الف۔ اسے لڑا لے کر گریز کی چھٹیوں میں ایک دفعہ روٹاں لڑا دیا۔ شبت کا ظہیر بوا اور پھر پیکر لڑا ہوا کیا۔ پھر سے اس کی جڑا لے لیں گی بلکہ تب ہی نہیں۔"

وہ ہنسنے لگے اور سر پر طلب کیا۔ بڑے ادب سے دو مگریت جیر کر انہوں نے تباہ کو اپنے پانچ میں رکھا۔ دوسلائی دکھائی اور چیر کر پیکر چلے گئے۔  
"لیکھا لکھا!!!" وہی مری جعفری کے آگے سے پھلی جا رہی تھی۔ میری آواز سن کر فطقی اور جعفری کے قریب آ گئی۔ اس دفعہ اس کے پیروں پر دھول کی بکلی سی تھہری۔ اس نے بند ہوئی چھوٹی موٹی سے مجھ کو دیکھا۔

وہ جانے لگی تو میں نے جھٹن ہو گیا۔ "بس؟" میں بولا اور جب سے سگریٹ نکال کر نکلیا۔ وہ پھر گئی۔ "یہ نیل پھلے تھے تھپے نہیں آپ سے۔ چہ نہیں اس میں کیا مراد ہے۔" یہ کہہ کر وہ چل دی اور پھر نہ کی۔ ذہن میں نے رکا۔ حیرے سے سگریٹ چنے گیا۔

ایک کھڑی آدھی گئی تھی۔ اس میں سے ملی علی آواز بنی اور میں۔ میں نے گریون اٹھا کر دیکھا۔ دونوں ڈبیلیں تنگڑوں بنی پڑی تھیں۔ لکھا زمین پر بیٹھی اور تین لڑکیوں سے سفار مشا کر رہا تھا۔ اس کی گئی۔ "جیل۔" ایک لڑکی نے جواب دیا۔ شاید لکھا نے کچھ کہا تھا۔ "دکان ہو مراد۔" وہ لڑکی پھر چلائی۔ اس دفعہ مجھے لکھا کے الفاظ سنائی نہ دیے۔ "اچھی ری! اب؟ میں دکان ہونے کو کہتی ہے۔" اب کے اس کی آواز صاف سنائی دی۔ "لے بھئی بارش ہو گئی ہو۔" اس لڑکی نے چکا کر کہا۔ "دکان کے پتے جابے کیا ہیں؟ سنو! اس کا مطلب ہے۔ خدا کرے کہ تہا را جلاہ جلدی ہو اور تم اپنے خدے کے ساتھ فوٹا چل جاؤ۔"

"اودری میری سٹوڈنٹ اینی اسنی ڈشتری کو کب شائع ہو گی؟" لکھا نے پوچھا اور وہ ہنسنے ہوئی اس کے منہ سے چپے گئی۔ میں بھی آج تک دکان کے سخی غلام ہی سمجھتا رہا تھا۔  
انہی دن بڑی قابل پس گئی۔ ہاؤسنگ پیکر کچھ ٹھیک ہو گیا تھا اور دن بھر گنا چلاتا رہا۔

میں جعفری کی یاد رکھنے کی آج اب سوامش کے پاس منہ کر کے زور سے بولا "ساجی! ساجی! اجہرو یا کر لینے آئے ہیں اجہرو یا کر۔"

اور پھر ایک دم میں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ مجھے اپنے گاہے میں کبر ہا ہوں۔ "میر لکھا کو لینے آئے ہیں۔" مجھے اس طرح دیکھ کر وہ ایک دفعہ پھر سرخالی۔ بچے شور مچانے لگے۔ "ہم نہیں بھیجے۔ نہیں بھیجے۔" اور ایک دفعہ گئی۔ میں اور لکھا بیٹھے۔ مستری بیچ گئی لے کر گھر گیا ہوا اندر داخل ہوا۔ "آئی۔ سی۔ آئی۔ سی۔" کہن ہوا پھر اسیلی فائر پٹ پڑا۔ لکھا نے قہر آلودہ نظروں سے اسے دیکھا اور انہیں بکلی گئی مجھے پاؤں اور میں نکلنے ہوئے دل کو کھینچے گا۔

ساتھ دیکھیں پتہ رہی تھیں۔ کمانے پکالے کی چیزیں اور آہر پھیلی ہوئی تھیں۔ دن کی روشنی میں آگ کی چمک۔ اور بس اور چاند کی بکلی پکلی خٹہوں میں کچھ اس طرح سے مل گئی تھیں کہ ساری فضا چاند کی ایک بڑی سی رگنیں معلوم ہوتی تھی۔ چاند لوں کو مہوے رکھا تھا۔ باورچی خانے کی گرمی پر بیٹھا ہوا پیتے کی بوا نکال کاٹنے لگا۔ اس کے پس ایک لڑکا کشش صاف کر رہا تھا۔ وہاں لڑکے چپٹی کی رگنیں گرم پانی میں کھال رہے تھے۔ وہ چلائی سوئی نظروں سے شخص کو دیکھتے اور حسرت سے اس لڑکے جو ہر دوسرے منٹ کے بعد ہی پھر دوائے منہ میں ڈال لیتا اور پھر انہیں اس بھرتی سے چہا کہہ دیکھنے والوں کو پتہ نہ میں سکے۔ اس نے اپنے سر کو دونوں گھٹنوں میں دبا رکھا تھا۔ باورچی نے پیتے کی تھلی زمین پر رکھ دی اور دھن کی کرسی کی پشت پر بیٹا پڑا۔ وہ ڈرامی دیر کے لیے سسائی چرچاتی اور پھر خاموش ہو گئی۔ "اس دفعہ مسلم لگ جیتے گی۔" اس نے بھندہ چکر کو اپنے سر سے تھکھٹی اور اسے اٹھ کر گھماتے لگا۔ "سیا مانا ایک کاسب سے بڑا افسر آیا تھا۔ ہوتی تو ساری کی ساری برادری کیا، امیر بھی وہ دے گی۔ اپنے باپ دلا تو رسالے ماری عمر بکتے ہی رہے ہیں۔ پر ہم سے تو وہ نہیں ہو سکتا کہ اسے جبر کے زور کی وہ نہ میں اور پٹی نے کر بھلت چا نہیں سوسہ۔" اور پھر وہ لوٹی کو انہی پر گھماتے تھماتے آؤ گھنٹے لگے۔ لڑکے نے دونوں ہاتھوں سے شیش پر ہجاوا دل دی۔ باورچی نے ایک دم گھٹیں کھل لیں۔ "کاسے جاسالے تیرے باپ کی گاتھ سے تھوڑی جاتا ہے۔ پر مجھے یہ بتاؤ وہ میں تیری ما کا بیٹو ڈالو گا۔" اس کے نے شرمد ہو کر سارا سر گھٹنوں میں گھس لیا اور گا ہاں صاف کرنے والے کھلکھا کر خستہ اور بیک بخت رہے۔





دلہا جس سے دو سلائی ڈیڈ ہائی آٹھ کھلی طرح جھلمائی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ فہم ہو رہے تھے کہ جسے کوئی ٹیکہ دل پر نہ ہو جی ملکہ کا نہیں بدل کر ان کے گھر اسلج ٹیکہ رکھنے آئی ہو۔ جب وہ آ کر دو دروازے ہسٹر پر لیٹ گئیں۔ سب نے سوائے فہم کے اسے چہرے سے رضائی سے لٹکان لے لیا۔

"یار جی یہ یہ ناگہ بچرا دھرا آگئی۔" سلمہ نے اسے اس حالت سے دیکھا۔

"میں کیا کروں بچہ؟" فہم نے سنے سے بولا۔

"مگر کیا کرنا کیا ہے۔ اسے اپنے پاس ہی رکھو۔"

"اسے اپنے پاس ہی تو ہے۔"

"اسے پاس تو نہیں۔"

"اب نہیں تو سہی۔"

"دیکھ کیا کیا مطلب ہے۔"

"مطلب کیا ہے، غواہی جو داتا ہے۔"

"جی! آنا، جب دوسرے کرے فوجی انداز میں دھماکے۔" کیا بات ہے؟

"سب بھائی خود بخود دھماکے کر رہے ہیں۔" فہم نے دہرایا۔

"یہ جھوٹ کہتے ہیں، ابھی۔" سلمہ کی لٹکانی آواز پر بڑی مشکل سے آنا صاحب تک

پہنچی۔ "ہمارا بچہ ناگہ میرے اوپر ڈال دیتے۔"

"تھرا ابھی۔"

"شٹ اپ گھبراہٹ کا بچہ۔" سرور نے گھبراہٹ کا بچہ خوش ہو گیا۔

"کاپیڈا لڑائیں کرتے۔" مانی اس سے کہنا۔ "بھائی بھائی تو محبت پیار سے رہتے ہیں۔"

"سب ہم ہی ہمیشہ ای طرح کرتے ہیں۔" فہم نے دہرایا۔

"تم تو خود بخود دوتے لگتے، دوتی دوتی، ڈرا پائی اس ناگہ اسے اپنے پیٹ پر تو لگا کر دیکھو

مورہ جی ہے، مگر جی۔"

اس تشبیہ پر فہم نے دم نہیں دیا اور غیر ادا کی طور پر اس کی ناگہ سیم کے پیٹ پر جا گئی۔

"بھائی جان تم میرے ساتھ سو جاؤ۔" پورین نے سلمہ کو بلور دیا۔

"تو میرے ساتھ کس سو جاوے گا۔" مانی ادا پنک پر لپکی۔ "بھائی بھائی جھگڑا ہی

کرتے ہیں۔" تیارانا اور اس کے بھائی عمر بھر ایک دوسرے سے جھگڑتے ہی تو رہے۔

"کیا مانی ادا۔" پورین نے حیران نہ کر پڑھا۔

"اے ایسے ہی اچھے ہی جو ہوئے۔" واصل جھگڑا تو بہر ہی وجہ سے جھٹکا۔ "ابو بھائی"

نہا اسے جنت نصیب کرے۔ ہم اللہ الرحمن الرحیم اس کی روح کو خواب پہنچے ہمیشہ بہر کی طرف

دھری کرنا تھا سدا سدا، خدا اسے کرامت کرامت جنت نصیب کرے فقیر تھا۔"

"فقیر؟" فہم بھونچا ہو کر ابھرا تھا۔

"ہاں بچہ۔" سرور نے فہم کو بلور دیا۔ "میں مارے مارے بچہ کرتے ہیں۔" مانی ادا

نے فقیر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "مگر قرآن بھی تک جگہ دے ہو تو جانا؟"

"ہاں۔" سرور نے فہم کو بلور دیا۔ "اور رضائی کے دے سے چٹنی ناک والا چہرہ کمال کر

نور سے مانی ادا کی باتیں سننے لگا۔

"... طبیعت کے دہشادھے تمہارے ناان۔ دل میں کسی بچہ کی لٹکانی تو پھر اسے برا

کر کے ہی رہ گیا۔ ہم کھرا دیا میں فہم خوشامدی میں کریں۔" سلمہ نے اپنے دوسری دوسری بچہ کرتے جو

انہیں پسند ہوں۔ گزشتہ شکر میں تائبہ فقیر لدا رہے۔ اتنی بڑی ہوئی۔ وہ دیکھیں کیا ایک گھوڑی چو،

کے۔ کسی نے آکر شونہ پھوڑو کرنا گھر نہ کیا۔ دو لڑکی آئے ہیں جو کہتے ہیں پورا کر دکھاتے

ہیں۔ کسی سے سنیں۔ کسی کو میرے نہیں بتاتے۔ دو لڑکی باتوں کے دل سے لٹکانا ہتے۔ جھٹ

اسٹینٹ کچھ کچھ صاحب بیاد لے بہت روک گھر نہ مانے۔ نہ بچہ کر تھارے ناان آکر کو بلا دیا اور مجھے

اس کے ساتھ گاؤں بچہ دیا۔ میں نے لاکھ نہیں کیں ہاتھ جوڑے۔ اللہ رسول کا واسطہ ہو گھران کا

دل ہمارے تھارے ایسا ہوتا تو۔ سننے۔ میں نے کہا۔" اس سے بتائے واسطے کوئی پوچھتے۔

تھچے ملی سدا۔ جب دوسری سے متا نہیں تو اس کی کہاتوں کا بچہ مجھے بڑا "۴" مگر تھارہ ۴۴ ابھی

ایک ہی عہدی تھا۔ کہنے کا کہانوں کی کہانیاں بھلا چو۔ کتنے ہیں؟ تم تو بگلی ہو۔" یہی سے خوش

ہونے کے خفا ہوئی ہو۔ وہاں پر کہ آخرت کا تو سبھا کر دل۔ اور لٹکانی کی خدمت گنداری اس

ملازمت سے درجہ ابھی ہے۔ سرور کوئی کوئی کا مل کی کوٹھڑی ہے اس میں دھتے سبھا کے اڑانگ

ہی رہتا ہے۔" میں اس خبر سے والے انتہائی مفلوک کرنے والے اور تھارے ہاں کا کوٹھڑی وہاں

سے تھل، مانی کی کپک پر درد گار سب پر پھر ابھر پڑے۔"

"ہم جی پر کون؟" فہم نے پوچھا تو سب نہیں پڑے۔

"پر تم سو جاؤ۔" سلمہ نے اسے مٹا دیا۔ "اگر وہاں میں نہیں رہ کر رہے ہو۔"



"پھر دو کون ہو کر آئے تائی اماں؟" پر دین نے بچھا۔

"خاک اک لک کہاں سے ہوتے جو کچھ پاس تھا وہ کاٹا درویش لے گیا۔۔۔ الٹا سونے کے نوں کی ایک رگ سونہری ہے۔ کہاں سب کچھ بھگ کر کے رات کو فودا گیا وہ ہو گیا۔ تھارا نا شام کا مارا بیل چلا گھر پہنچا۔ اس کی حالت دیکھ کر میرا دل دھک سے رو گیا۔ بڑھی ہوئی سوچیں تھیں ان کی داؤھی۔ مسلسل خاتے کا سننے سے پیش سارہ نکل آ پاتھ۔ پچھلی موٹی ٹھیک سے کھونے باہر بھاگ کر دے۔۔۔" فہیم نے اپنے کندھوں سے پھٹی ہوئی قمیض پھوڑی سے دیا۔۔۔

"میاں! جی اللہ ان کی قبروں سے بھری رہے تو ہمارے ناچ بہت دے۔" انہیں نے گرجا کر کہا کہ ہر برسی کوئی پوندوں کو نہ ہو بلکہ سونہ ہو جائے۔ کہتے تھے جہیں اپنی جا کا دے خاق کر دے گا۔ جب تک زندہ ہوں اس گھر میں تو کیا اس کاؤں میں بھی قدم نہ رکھتا دے گا۔ یہ رکھو تم سے میری بہادر معصوم بچی کو کھٹک کیا ہے۔"

"معصوم بچی و تائی اماں؟" پر دین نے پچھا۔

"اسے تمہاری بڑی خالہ بیٹی" تائی نے جواب دیا۔ وہ پھولی سی تو تھی۔ ابھی پانچس چنانا سیکھا تھا کہ۔ ٹھیک سے دیکھیں اور جب دھڑا۔"

"کیا کھانا چاہتے تھی سے تائی جی؟" دوسرے کمرے سے آنا صاحب کی آواز رعد کی طرح گزری۔ "کیا کھانے دیکھ آؤ گی ابھی رات کو چکائے رکھیں ہیں آپ اور بھر ج۔"

"ہاں! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" دلا کا دل ساہو جا چکا ہے۔ "آقا صاحب کی بیوی نے ان کے وہ نہ پاتھ کھدو دی۔ مجھ کو آج میں جھگڑے گئے۔ فہیم نے اپنا پیچہ روضہ کی کے اندر کھینچ لیا۔" اندھ کرے ابھی۔۔۔ اسے کوئی مناسب رد۔ سوچ نہ سکی کیونکہ آنا صاحب اسی شام دوش ہونے سے چند گھنٹے پہلے اس کے لیے کھانے کا ایک لونی سپاہی لائے تھے جو کھک بھر سے سے اپنی سادہ بندوق اجڑا کر کھنا تھا۔

"پھر کیا ہوا تائی اماں؟" انہیں آتے بہت سے چمچے۔

"ناچا تمہارا ہالہ راض ہوتا ہے۔ اب سوچاؤ۔" تائی اماں نے دیکھے دل سے کہا۔

"ہاں جی تو بھلا ایسے کیا کرتے ہیں۔۔۔ ابھی کے بچے۔" پر دین نے نفرت سے کہہ اور تائی اماں کا کندھانا کہتے ہی "سنائیے اندھے تائی اماں!۔۔۔" بولے ہوئے بچے چپکے۔

"یہ ضرور ذرا پرے۔۔۔" سلیم نے درخواست کی۔ "مجھ سے تو بھینس کے کٹڑے کی سی بو آتی ہے۔"

"اور کباب کا عطر تو میرے خیال میں تیرے پیسے خوشی میں بند کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔" انہیں بھٹکا کر بولا۔

"بے شک۔"

اور جب فہیم کو کوئی جواب نہ سوجھ تو وہ اور ذرا ایک ہو گیا۔ "لے میں تو ایسے ہی سوکس گا۔ کر لے جو کچھ کرنا ہے۔"

"دیکھو تائی اماں۔" سلیم منہ لایا۔

"ماں! پٹا جھگڑا دیکھ! تھارا باپ تو کمر و سر پر اٹھنے کا۔"

فہیم نے بے سنا تو لگاتار کھک کر کمر کی کھوت دیکھنے لگا۔

"میرے اسٹے پیسے دے۔" تائی اماں نے پھر کبکھرا کر کہا۔ "مگر تمہارے مائے

کبھی ان کو پھول کی چھتری تک نہ دے۔" کہہ کر تے تھے بچے تو خشتے ہوتے ہیں ان کو مارا مگنہ

ہے۔ تمہاری کراپا دیل نہ لہو نہ بھرنے کی پٹاوں اور جوانی تھیلوں سے کیلانی رات کی اور جب تر

گو گھر واپس آتی تو کچرے میلے پینکٹ اور چوندوں میں من من خاک۔ میں دست پٹاؤں کے

بار سے لٹکی تو گھومیں اٹھ کر باہر نکل جاتے۔ میں کبھی قریب سے کر دے تو انا سکرانے لگتے کہ

لڑتے کبھی خراب نہیں ہوتے۔ ان کے پاؤں میں پکڑتھ۔ تین ہیبت سے زیادہ گھر پر نہیں

ظہر سے۔ ہاؤز چانے میں شے پیٹھ پیٹھ میں جا لے کیا آتا مٹا اٹھا کر چل دیتے۔ یہ ٹیس پچ

کہاں نہ رہے ہیں۔ کب آئیں گے کچھ پاس سے کھنڈ۔ بڑی بچوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ کر جا

وہے ہیں یا نہیں۔ میں نے بیویوں میں کہہ کر لڑکیوں کے لیے کیا سوچ رکھا ہے۔ آخر پر اپا دھن

ہے۔ کچھ دے کر ہی جان چھوڑے گی مرنے کے کان پر ہوں تک نہ دے گی۔ مسکرا کر کسی کہتے۔ "قر

چالو اور تمہارا بیٹا۔ جب آکھ بند کرنا چاہتے کچھ ہی ہو۔" میں نے لٹکی تو مجھے دما سارے کہتے

"خدا چوڑا اور بڑیاں ہوتی ہو۔ اللہ مالک ہے۔ جس نے چنچا دی وہ چوڑا بھی دے گا۔۔۔" خدا

ٹٹے میری ساس اور خستہ طبیعت کی تھی۔ گھر کا سارا کام کا بجھے ہی کرنا پڑتا۔ قیاسی بہوؤں

کے گرد والے تو ساتھ رہتے تھے۔ ذرا بھی لٹی نہ تھی اتنی فہیم سے بہا نہیں۔ ان سے جاگا نام۔ مجھ

پر دین کو کون تھا جس پر بھول ہنسنی۔ عمر بھر تو کزن کران کی خدمت کی۔ دن بھر کئی کا آتا تو جتنے



تک وہ جو رتہ دینی ہو کر مقرر کرتے۔ اس سے بچوں کے لیے کڑے ذرائع انہیں پر حواس تے اور جب کوئی اور سپرد اپنے سے بہتر ان کے لیے دیکھتے انہیں وہاں جانے کی تلقین کرتے۔ کشمیر سے ڈھائی تین سو روپیہ کم کر لائے اور راست میں ایک گائے خرید لی۔ من موافق راجہ برہمنی خٹے خٹے سیٹھوں والی ...

"بھئی کر اپنی مالی خالہ کے پاس ہے" "فیمنے خوش ہو کر پوچھا۔

"بھئی کچھ بات تو سنئے دو کیا یہ بھڑی ہے۔" "پر دین سے مل کر کہا۔

"پال دس ہی لکھ اس سے بھی خوبصورت ... آتے ہی زمانہ گرا دیا اور کھو گئے

گڑوائے گئے۔ جب گائے بندھ چکی تو ہم سب دیکھنے آئے۔ سہری کسی قسم کی اس پر سفید دیے۔

تمہارا ماسول نذر اس وقت چھوٹا ہی تھا۔ خوش ہو کر ہوا جب سرے کی شہاس کی کمال سے دینی ساری جو جیاں ہواؤں گا۔ جس کر کہنے کے لیے کوئی اپنے بیٹے کے ڈھنگ ادا کر گائے کی موت کی دعا لگ رہے۔"

"نانی اماں۔" "فیمنے دنگ کر پوچھا۔ "تھے کے چڑے سے بوٹ نہیں بنے۔" اسے

جون صاحب کا کئی یاد آ گیا جو کہ مرا تھا اور جسے انہوں نے "بھو" کمال کشمیر پھیل دیا تھا۔

"یار جگتی! بھلی فیکو کا یار یا ستر سیال سے اصرار۔" "سیلم نے دنگ کر کہا۔ "فیمنہ ہم گیا اور

اپنی دونوں ناگوں کو کھینچ کر پیسے سے لیا۔

"اوقات عرصہ سرکاری نوکری رہے تجارت بھی کی۔ اور سی ملا زمینیں بھی کیں مگر

سوائے فوج کے کبھی بوٹ نہ چلے۔ میری خواہش تھی کہ وہ بھی دوسرے بھائیوں کی طرح طلب

شعب کرتے چلیں۔ آخر کوئی کی قسمی ان میں مگر وہ نہیں مانے۔ یہاں کہتے رہے بوٹ پہن کر

آدھی مقرر ہوا جا ہے۔ اس کی اور چوٹی کو آواز انسان کے دل میں کشمیر پیدا کر دیتا ہے۔ میں اور

سارے کار کرتے کو تیار ہوں پر بوٹ نہیں چلاؤں گا۔"

فیمنہ نے پھر دنگ دار چنگ پر سے لگ کر اپنے ہاتھوں کوئی ان کی چٹائی کے پیچے

دور بیکل دیا۔

"اور اس گائے کا کیا بنائی مالی؟" "پر دین نے پوچھا۔

"بنا کیا تھا۔ کاندھ کی صورت سے مگر بکا کر رکھ دیا۔" میں ہانسی لے کر دہستے گی تو لات

دار کر در رہ گئی۔ بھئی کچھ کر چارہ ڈالا۔ دواس کے کھانے میں مشغول ہوئی اور میں نے موقع

جان کر کے دروہا شرع کیا۔ لاکھ جمن دہائی پانی لگا کر دھو بندھنے کی طرح سون کر کے دھوا دے جاتے۔ شام کو آتے تو میں نے پوچھا خریدتے وقت دو کر نہیں دیکھی تھی۔ من اہیان کر کے کہنے لگے۔ "دودھ کے لیے چھوٹی خریدی ہے۔ خرگوشوں کی کے لیے سودا کی ہے۔ میں خون کے حوت پل کر چپ ہو رہی۔ انہیں کون سمجھاؤ؟" "جب دوا لگے دوسرے پھر سے گئے تو میں نے اسے میں روپیہ ملنا چاہا۔"

"دوسے صفر تھے" "فیمنے آہستہ سے ہانگراپ کے کوئی لاکھ ایشیا کی نے سنا نہیں۔

"اگر دودھ دھرتے تھے اور پال بھائی روپیہ کے تیس لٹائے لے آتے۔" "میں کسی نے

پیدا یا اور کیا لگا لکھ دیا۔" "جب تک جواب نہ آتا ہے ہی کرتے رہتے اور وہ بھی ایسے تھے

اب انہیں کس منہ سے کوساں کر جواب تک نہ دیتے تھے۔ ہاں بھائی بھی جب ان سے آتے تے کی درخواست کرتے تو یہاں دنگ لکھ پیچھے کیے ڈال ڈال کر آتے ڈال انہیں ہاں بھائی سے ہمیشہ یہی کہتی تھ

"دو۔" "کیا ان میں مندی کی ہے جو آ نہیں سکتے پلٹاڑے۔ ادا کرتے ہیں؟" اور جب ہاں بھائی

انہیں یہ کہتے کہ یہ بھائی نے نکھوایا ہے تو آنے کی تیاری شرع کر دیتے۔ "موا نہ سکتے ..."

"آ کیوں نہ سکتے ناں؟" "فیمنہ نے پھر پوچھا۔

"ہاں تمہیں سمجھ تو ہے نہیں خواہا ناں میں سن رہے ہوں۔" "فیمنہ نے دنگ آ کر کہا۔ "بھلا

کسی کی باتیں ہو رہی ہیں؟ کچھ خبر بھی ہے یا یہ بھی بات چکھتا ہے ہاتے ہوتا؟" جب نانی اماں نے

بھی یہی کہا۔ "بیٹا غم سوچا" "نفرت میں خیر خراب کرتے ہو نہ کچھ تمہارا ہے۔ پنے پڑتا ہے نہ زمین

بات کرنے دیتے ہو۔" "تو فیمنہ خاموش ہو گئی۔ اس کے خٹے سے دل کی جھین میں ہر بات کنکری

طرح طرح کی۔ لہرں پیدا ہو جس اور پھر بھق تاتیں۔ اتنی دنگ۔ کس کا دل ان مطلقوں میں چھن

جاتا اس بری طرح سے کہ لگا لکھ نہ سکتا۔

"... یہاں تک سب سے عاز تھا اور کچھ بات بھی کہتے تھے کہ وہ تھ بھی تھکھدار۔

ایک دروہا سے پڑاؤں میں چاروں نے سینہ دنگ کی اور دروہا دنگی اٹھا کر لے گئے۔ یہ چھت کی

منہ پر پکڑا یہ سب کچھ دیکھ کر تھ۔ جب دے جانے لگے تو ان کے پیچھے بولیا۔ "تار کے دنگل

میں جا کر انہوں نے دوڑوں مندوڑوں کو رو دیا۔ یہ سب کچھ دیکھتا ہا۔ جب دو چلے گئے تو سیدھا

گھر پہنچا دروہا سے نام کی در پکڑ کر کھینچنے لگا۔ "دو خندیں تھے یہ پ کے دور کو پھیلارا۔"

"تھوڑیوں مارا" "فیمنہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"مخفی خطوط در دست ہر بہر جو نہیں لے جاہل ہو گئے۔ ان کے کوئے سوادری رنگ امیب ذکر گھر اور  
موسیقی جگہ فغانی گنگ کی ہو کر درد و دہیچے سوئے اندھیر سے کہ قوب ہوتے تھے۔ بجلی کی لاش  
انصوبہ سے کہ چوٹے چھینے لیے جا رہے تھے۔ کمرے کے اندر کونکوں پر سفید تھیں بہت دیر سو  
بجلی چھیں اور چھبھری کے لیے کافی راہ کر بیکل تھی۔ کیکوں کی حدت کمرے میں ہوتی ہوئی سردی کا  
مقابلہ کرتے سے عاجز تھی۔ اندر وہ چیز خوش تھی مگر باہر بارش کا شجر پر ہوا گیا۔

"ایک ایسی سردرات پہ چپ کر مرادوگا۔" اپنی اداں نے پھر شروع کیا۔

"میں تو گاؤں میں تھی اور تمہارے ڈاکو لڑائی میں پھر نائب تحصیلدار ہو کر آئے۔

پپ وہ اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔ کتے رکھنے کا شوق ضرور تھا مگر ان کی دیکھ بھال نہ کر سکتے

تھے۔ سب کو خوراک پر چھوڑ کر تھا تھا۔ ایک ایسی ہی سردرات ملٹی سے باہر دھکیلا شہدہ بھر

مہادت پڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ چلا یا دروازوں کو کھٹکھا رانچھاراکر شور میں کسی کو آواز سنائی نہ

دی۔ دوسرے سب دروازے بند تھے جب باورچی دروازے لالے باہر نکلا تو پپ دروازے کی

دلیز پر سر رکھ کر دیکھا۔ باورچی نے پیکار دھو خاشاک دیا اس نے دروازہ کھٹکھا ایک طرف

دیکھ کر اس کا سر جھکا دیا تو وہ آکر اندھا دھ۔ کوئی دلاسایا پچکا وہ پپ کی دھت اس کی آنکھیں نہ

کھول سکی۔۔۔ اچانک جگہ میں تار مل کر نائب تحصیلدار صاحب کی طبیعت خراب ہے۔ جلد پہنچا ہر

نے تھوڑا سا اسباب درست کیا۔ میاں کی کہنے لگے۔ اس کچر گھان کو کہا اسٹاٹے پھر دے۔ سہیلی

چھوڑ جا کر سب سے چھوٹی بیٹی ساتھ لے چلی ہیں۔ وہ تمہاری بیٹی تھیں۔ ان کے تو کر ہونے سے

پورا ایک مہینہ بعد پڑا ہوا تھی۔ جب سمجھا تو سب نے سلی دنی اور بیٹی کہا کہ اب انہیں

ساتھ لے آئے۔ میری بھی بیٹی تھی مٹی۔ رات بھر میری بوڑھی ساسی خدا سے شیں۔ بجلی گئی۔ وہ

گازی میں برقی سواروں نے ولی کورت سے پس جانی اور اپنے بیٹے کی موت اور ساسی کی دھاکے

لیے درخواست کرتی۔ تمہاری مٹی نے رات میں میں بہت تھکا۔ سوز ہو گئی تو پھینک چھینک

کرے حال ہو گئی اور میں بھی پریشان کر دیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ڈاکٹر دوانی دے کر نکلا تھا۔

میں نے دیر چلی سے پوچھا کہ کیا آیا تو وہ در نے لگا اور پپ کے مرنے کی داستان سنائی

جس کا اثر تھا۔ دے نا کھول پر بہت گہرا تھا۔ "جب دھکا لگا نے بیٹھے" باورچی نے بتایا

"تو پپ پاس آ کر کھڑا ہو جاتا اور درونی کے گلانے سے توڑ توڑ کر اس کے آگے پھینکتے رہتے۔ جس

دن پپ مرادو دھکا دھکا سے بیٹھنے کو دیکھا۔ انتظار کرتے رہے مگر وہ دم ہلائے ان کے پس نہ آوا۔

"یاد رکھو گی۔" سہیلی نے کہا۔ "کس نے را بھلا تھو۔ پپ کیا ہوتا ہے بھلا؟"

سہیلی کو درنی سے مخاطب دیکھ کر فریج پر چپ ہو گیا۔

"اے بچہ تک کراتی دور چ کھڑا ہوا۔" اپنی اداں نے پھر شروع کیا۔ "اور ٹوٹے لکائیں

سے انہیں لکھ کر کوئی کھانسی یا سہی ہو چکا رہا ہے۔" اندھا کر بار گئے تو در اندر سر ہیٹ نہا تھا

اور سینہ دنگی دیوار سے چٹو کی روشنی اندر جا رہی تھی۔ جب پپ بھی ان کے ساتھ چٹو میں کرت

بار بار دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ جب اس کی پہلی تھیں حد سے باہر گئی تو تمہارے نا اس کے

ساتھ چلے۔ ان کے سر اور اندر اور گڈوں کے دو تھیں دوسرے ہند تھیں ان بھی۔ پپ خار کے

دنگل میں اسی جگہ جا کر زمین کھودے۔ جگہ صندوق برآمد ہو گئے۔ در اندر نہ کھولا نہ دیا۔ سو رہا پہلے

تمہارے نا کو دیکھ کر پپ کے دروازہ کے لیے پس گھر نہیں لے نہ لیے۔

"لے کر لے نہ؟" سہیلی نے پھر پوچھا۔

"نہیں ہیسی۔" اپنی اداں نے جواب دیا۔

"نہیں نہ لے رہے ہو۔" سہیلی نے پپ کے لیے سہیلی سے کہا۔

"سمو رہا پہلے بھلا کھتا ہوتا ہے؟" پوچھ گئی تھی تو سہیلی ان کے نعلوں سوا لوں سے تنگ

آ کر چپ سا دھ گیا۔

"سہیلی ہو گیا؟" اپنی اداں نے پوچھا۔

"ہاں۔" سہیلی نے جواب دیا اور اپنی ناگہ اس کے ہیٹ پر رکھ دی۔

نکل زور سے چلتی اور سب سے اونچی چوٹی پر تھیں کہ درخت روشن دان کے شیشوں

میں متکس ہوئے۔ جب بھی چلیں تو بہت دور بعد اول کے گرجنے کی آواز سنائی دیتی۔ بجلی کی

روشنی بالکل سفید تھی مٹیوں سفید تھی جس کے شیشے پر قمری رنگ بھٹکتا اور دونوں سروں پر

سمری روشنی دکھائی دیتی۔ جب وہ چمک جاتی تو فضا میں دیر تک بیٹھی لہریاں لکیر کا پتی دیتی

جس کے چاروں طرف تھیں اور سرٹو جب سے لگتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ہر بہر ہو جاتی۔ مگر

بہر زور کی طرف اور اس رنگ سے نہ رہتے اور کڑے سوئے ہوئے ہوئے دکھائی دیتے جو

ساری فضا کو سنبھال دیتے۔ دیکھتے تھے ساری فضا تلخ تھی ہے اور وہ سب فضا میں بھی لکیر لکیر

کے سروں سب کی طرف تو ہر گز دی سے۔ بجلی چمک چکی اور پہلی بہر زور دیکھ کر جان پڑ گئی۔ اس کا

رنگ بھر زور دیا۔ سرٹو اور نیلے دھبے آباد ہر گز سے نہ رہتے ہوئے گئے۔ رفتہ رفتہ وہ دونوں



بات کی فکر کیا اور یہ کہ عین ہیبت پر کھڑے اور طرب انگیز لہو تو شاید ابھی نہیں آیا۔ پانی میں زندگی بسر کرتے آج جیسے حال دن ہے وہ پتہ نہیں سننے والی طرح آسمان سے نیچے اور ساگری چھاتی پر غور کیا جیسے گلی گلی رات کے بیچر بکین میں آواز دے ہو تک ہنساوار۔ دہاد مرنے کو دھوا نکلتا آیا تھا۔ فتنی حملہ کرنے سے پیشتر ہراس میں ہوا پانی زلفی جان کھن کو ایک لہر چڑھا اٹھ کھڑا تھا۔ بیڑی کے ٹکڑے اب تک میری آنکھوں میں ٹھوم رہی تھے۔ وہ ہیز کے ٹکڑے ہونے پر پاکی خیر فوجی اہلکار میں چھسکا اور مار چھڑا اور مارنے میں ہاتھ کرنے لگا۔ اس سے پیشتر ہر بات شروع کرنے سے پیشتر وہ سسکا کر یہ ضرور کہتا تھا "بھلا تم کسی دوسرے کی داستان الفت میں کیا لکھیں لو گے۔ لیکن تم اسے اچھے ہو کر دیکھنا میں مار کر یہ نہ ہوتی ڈن میں صرف تمہاری دوستی کے سہارے نہ تھی ہر کر لیتا" پھر پہلے پہل غلطی کی بجائی کی تہیہ کے بعد وہ میرے سے اس تالاب کا کار ضرور کرتا جہاں پہلے میں ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ لکھنے کی ہزار مرہبہ یہ تھے کہ بعد بھی وہ ہر اعدا سے دت کا تذکرہ ضرور کرتا کہ اس دن دن مار گرنے سے مراد ایک کی سرکٹ چسپی ہوئی تھی اور وہ لالے کا بھول دیکھ کر دیکھتی تھی جہاں آسمان سے شہم کے ساتھ اترتا ہوا۔

بیڑی کا ہاپ کسی پتہ نہ رکھی تھا غرضانی کا روفہر سے۔ وہ روکن کی جھوک کیا تھا کہ کا حالی ہے۔ وہ بیٹھ کر چوم کر کھتا ہے۔ اس کی خاطر اپنے دانی سے بیڑی کو کس دیکھ کر سیر کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ میری ہوائی فون میں بھرتی ہو گیا۔ میری پہلی مرہبہ اس سے ہیں اور وہ میری ملاقات کا آج جیسے حال دن ہے۔ امر بکین پر سے چھاتی ٹپک رہی ہیں۔ سب سے پہلے وہ دیکھ کر کہ وہ دوستی سہلوں کی منزل میں طے کر گئی ہے۔ جب میں وہاں آؤں گا تو تمہیں پھر بھی بہت سی تصویریں دکھاؤں گا جو اس نے مارنے سے ساتھ لے لی ہیں۔ ان میں ایک تصویر تو اتنی یاد رہی ہے کہ وہ در کر گیا تھا ہے نہیں مار کر ایک ایک سفید رہتے ہیں۔ وہ ہیز کے درختوں کو دیکھ رہی ہے اور بیڑی اس کو دیکھ رہا ہے۔ پتہ نہیں یہ کھڑی کیا سے آتی ہوئی روٹنی کا اثر ہے یا بیڑی کی آنکھوں کے شراروں کی جھلک ہے کہ انتہائی سوچ کے وہ جہاز مار گرتے کا چہرہ ہنگامہ ہے۔ ایسے ہی خوشی سے ایک بار تمہارا چہرہ بھی دکھاتا تھا۔ جب میں۔۔۔ ہاں تو میں یہ کہہ دیتا تھا کہ میں تمہیں بیڑی بہت سی تصویریں دکھاؤں گا۔ اس سے پہلا لہر بھٹو دے رہا ہے۔

میں وقت آؤں گی رات سے زیادہ بیت چکی ہے۔ ہر اب بھی چھاتی ہوئی ہے بلکہ اس کی تہ پہلے سے دیر ہو چکی ہے۔ سارے سمندر پر اندھیرا چھوٹی ڈالے ہوئے ہے لیکن اب یہ

نواک کی نہیں گنت۔ ٹھیکری میں کھننے والے چھوٹے سے روزانہ سے بکری کی رہتی آ رہی ہے۔ برتن لٹک رہے ہیں اور کھڑکیوں کی کھلیاں بچ رہی ہیں۔ پتہ نہیں یہ سب تک بکری کی ہیں۔ میں تو ہر اور ہلدی سوچتا ہوں۔ بھالاب کھس کی روٹنی میرے ایک مربع فٹ کے ہر مرکز سے وقت مقررہ پر خودی جاتا تھا ہے۔ پھر جھج جوئے کی کھنٹی بیدار کر دیتی ہے۔ وہ ایک مرہبہ چیدری اور پتہ ایک ٹھلی ٹھلی جاتا تھا۔ سگرت سے کدو ہلوں کے درمیان ایک میں خود ہند کر ایک ڈبے میں۔۔۔ اور دوسرا کال سے ایک کرستنا تھا۔ جب وہ تمہاری اتنی کو روٹنی میرے دھوکا لے لے کر تو میں ان کے پاس کھتے پر بیٹھ پان پر چڑھا مارا تھا۔ اسی کھڑکی میں۔۔۔ تم بھی اسی کھڑکی میں تھے۔ تمہاری اتنی سے میرا کرکھا۔ ہاں ہاں کھنٹ ہے۔ بھیا کو دکھاؤ۔ چیدری نے ایک۔۔۔ ڈبے بھندے وہ اور وہ مرا ملے خود بھولے لے لی۔ وہ سہرے میں کام ہونے سے فخر ان دھوکوں میں سانس دھونے ایک دھوکوں اور کرکھا۔ اس کی کمرہ چھتا ہے۔ برآمدے میں چل کر بیٹھے اور دوری کو بھیج کر رکھیے۔ میں تو بات نہ کی نہیں ہو گی۔۔۔ پھر جب میں نے ڈبے میں منڈا لیا کرکھا۔ رہنا تم تھے۔۔۔ اتو تم نے اور نی اٹھ کر دینی اور میری بات منہ سے لگی اور دیکھی پورا تم میں جھنک کی طرح کھ گئی۔ پھر شاید قہ نے میرے چہرے کے تار چڑھا دیے اور وہ گنا کرکھا۔ تانے لے کر کوشش کی تھی کہ بھی چیدری میں فون تو اجماع سے غراس میں کھنٹی نہیں بکتی۔ اس نے جواب دیا تھا کہ کھنٹی تو سوسے ہوئے کہانے کے لیے ہوئی ہے اور یہ ٹیلی فون جانتے لوگوں کا ہے۔۔۔ جیسے چیدری کی بات اب مجھ میں آ گئی ہے کہ کھنٹیاں بیڑی چڑی کر رہی ہیں۔

انہی چھ مہینوں کی بات ہے۔ میں سگرت سے کا کرکھی ہوئی وہ اسلانی کا شاعر دیکھ رہا تھا کہ باروہ کیا اور میری کرتی سے سانس ٹپ کرکھا اور گیا۔ یہ سہرے حصار کا تو پتہ ہے۔ پہلے ہاں اب میں ایک فقرہ۔ بھرا نہیں رہتی ہوگی اور وہی سالوں میں ایک ایسے ٹانگی میں گیا۔ مخالف حیلہوں پر اس کی ماری ہوئی وہ جیسے آج تک اگارت نہیں نہیں اور جو ہر ایک مرہبہ اس نے کیا تھا میں آگیا پھر نہیں آگیا۔ ابھی کھنٹے سے کہہ رہا تھا کہ میں جہاز کے ٹپھے عرش سے سو کر آیا ہوں جہاں تار دھیرا رہا ہے۔ اس کی آب جب ہی خرابی ہے اور وہ دوسرے طریقوں میں سب الگ دکھائی دیتا ہے۔ میں اس کے یوں پر صیغہ کا نشان بنا کر آیا ہوں۔ خداوند بے وسوسہ۔۔۔ تو سب تک میرے طریقے کو سہارا نہیں ہے۔ اب بھی اس سے سب سے ہے۔۔۔ بھروہ اور بھک کر ہوا۔ آپ نے کسی کو کھنٹا کھنٹا میں تو تھن لگانے کھڑا کر کے ڈبے میں چھڑا دیا



ہمارے گھر کے تین سالے ایک چھوٹی سی کھائی تھی جسے ہم ہمیشہ چھلانگ کر گذر کرتی تھیں۔ تو ہمارے ساتھ اور دو تین لڑکیاں بھی ہوتیں مگر وہ کبھی اس طرح نہ گزرتی تھیں یا تو اس سے کچرا جاتیں یا ایک پاؤں اس میں اتر کر دوسرا اٹکے کنارے پر رکھ دیتیں۔ میں یہی نگاہ رکھنے کے لیے کھڑکی کے پتھ کوٹے رکھتا تھا۔ تو اسے اسے بعد وہ کھائی نہ ہو گئی لیکن تم نے اپنے انداز بدلے۔ تم اس تازہ دھبی ہوئی کٹی پر اسے اسی طرح گدگداتی رہیں جیسے کھائی کے گزرتی تھیں اور وہ قہقہہ بٹھ ہونے کے باوجود پھر کھڑکی کھڑکی بند نہ ہوئی۔ جب میں نے خدا کو بتا چھوڑا یا تو اوروں کے ساتھ قہقہیں بھی مرنے بول بھائی جان سے میری لمبی لمبی بھینس میں کرتے مجھ سے پوچھا تھا۔

"آخر آپ خدا کو ماننے کیوں نہیں؟"

تو میں نے کہا تھا کہ "اس کے ماننے یا نہ ماننے سے انسانی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" تو تم نے جواب دیا تھا کہ "میں تو سمجھتی تھی کہ خدا سے تمہارا دل وابستہ ہو جائے گا۔ پر..."

"روشنی تو ہے۔" میں نے کہا تھا۔ "جب ولت..."

"ولت اور کامل میں کتنی سمجھتی..." تم نے بات کاٹ کر کہا۔ "آج سے خدا کو مانا کرو۔"

"کیوں..."

"لینیں جو کچھ نہیں۔ میں جتنی بول کر خدا ہے۔"

"پر..."

"مجھ تو جا رہی کھڑکی بند کرلو۔ کچھ لو کہ آج سے وہ کھائی نہ ہو سکی۔"

میں نے تم سے تشاؤ نہ دیا لیکن تمہاری دھمکی سے ڈر کر اوروں دن سے مجھے ہر شے میں خدا کا ظہور نظر آنے لگا۔

کھانا دات پیڑ میرے پاس آیا تھا اور ہر کچھ بھاری بھاری آج نہیں آیا۔ میں نے جانا کہ وہ بڑا جلد ہاں ہے۔ ہم دسے گیا ہے جسے میں اب تک کی یاد دیکھ چکا ہوں۔ اب بھی وہ میرے سامنے کھانا پڑا ہے۔ تین بجے شب میں میں نے کتب آف کیا۔ ہم اس وقت عرس سے دور ہے تھے۔ جتنی جتنی نظر اٹھایا لیکن وہاں حد درجہ معروضیت تھی۔ چلو منٹ تک میرے کے پیغام کا انتظار کرنے کے بعد میں اپنے کیمپ میں واپس آ گیا۔ وہ پھر تو میں دیکھ کر کھانا نہ بلایا۔ ہر کچھ نقشہ پھیلانے کے ہم دھڑا دھڑا کھائیں دوڑاتے رہے۔ پھر ایک کہ کہ مرتب ہو اور ہمیں پڑائیں سمجھا دی گئی۔ میں پھر آ کر بیٹھ کر اوروں کو کھانے کا جس کے آخر میں مارگریٹ کی ایک تصویر ہے جہاں وہ

ماریٹ کی ایک پینٹنگ تھی۔ اہل اس گھر پینٹنگس آپا کسٹر مال نے بنا دی گھر کوئی جواب نہ ملا۔ سب ہم عرش جہاز پر نکل آئے اور آسمان کی طرف دیکھیں اٹھانے انگڑا کرنے لگے۔ کھینچیں پڑتی گئی۔ ایک گاڑی بائیں ہو گیا لیکن ہم لوٹ کر اپنے کیمپوں میں نہیں گئے۔ سمندر دھلا ہوا ہو گیا تھا۔ دو رنگ تھلا تھلا یا نکل آیا وہ موٹی جہاز دوڑنے لگا۔ بڑی بڑی لہریں اٹھیں اور جہاز سے سر مارنے لگیں۔ بہت سی اونچی اونچی لہریں عرش جہاز پر آ کر پھیلنے لگیں۔ ہمارے بوت میں پانی اوپر ڈوب جاتے اور پتھروں کے پانچے ٹکڑوں سے لپٹ جاتے لیکن سب کی ہڈیاں نیچے آسمان میں گڑی ہوئی تھیں۔ پھر ایک کھانا پڑا ہوا لہرا اور تیزی سے ہماری طرف پھیلنے لگا۔ ہمارا طیارہ آ رہا تھا۔ اپنے پیچھے کھینچ کر ایک دینر گولا چھوڑے اس کا ایک پھل پڑا تھا اور اس میں سے لمبے لمبے شعلے نکل رہے تھے۔ سب ایک طرف ہو گئے اور طیارہ دو گونہ عرش جہاز پر آ کر گر پڑا۔ ہم نے دے ہوئے کھوں سے اس پر پانی کی پوچھ کر زکری اور پھر اس اوجھی چٹام چٹام پڑا۔ میں نے کاک پتھ کھول کر جب پتھر کو ایک بڑا کھانا تو اس نے منکرانے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ پھر سچر گھولیا اور اسے لے گئے۔ تو بچی کا پتہ نہ تھا۔ پھر نے اپنے ناقص قاتلوں میں میرا ہاتھ لے کر کہا "ڈرامیرا اہم تو لاؤ۔" پارلر میرے پاس کھڑا تھا۔ میں نے اسے کہا اور جب وہ لے آیا تو بیٹھنے کہا "آخری تصویر نکالو۔" میں نے مارگریٹ کی دہی تصویر نکالی۔ بیٹھنے اسے اپنی دھندلی نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔ "اسے میرے قریب تو کرو۔" اور جب میں نے اسے قریب کیا تو بولا۔ "اور اور نزدیک۔" اس کے بعد اس نے کہا "مارگریٹ نے مجھے کہا تھا کہ سرفروں میں میری مرنے کے لیے ایسا ہوتے ہیں۔ دیکھو میری لوہی ہڈیوں کی یہ کس قدر خوش نظر آتی ہے۔ اسے ہوائی فون سے بہت افسوس تھا۔ اس کی قضا جی کہ میں ایک اچھا کالنگٹ بن سکوں۔ میں پائلٹ تو بن گیا مگر شاید اچھا نہیں آیا کھڑکی کرتی تھی کہ جب تھوڑی دیر ہوئی کہ میرے ساتھ پر مسکن کی گولیوں میں چٹا کر دے تو جبر جبرئی اور۔ جی فون میں سلام کیا کرے گا۔ کاش اس کی بیا روز دہی ہو سکتی۔"

شام کو ہم نے پتھر کو اس کے پتلے ہوئے جہاز میں داخل کیا اور فوٹو اسے اتار کر اس کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ اس کی نگاہیں نے نہایت دردناک گھمراؤ میں سر ہونے کی مشہور گھٹت کا اصرار کیا۔ "آج تمہارے دو زمین اس کے کہ چوں کے بچے ہے۔"

پھر اس کے جہاز کو آہستہ آہستہ اتر کر ہم نے سمندر میں پھینک دیا۔ ایک بڑا اسٹور





”کوئی مضامین نہیں۔“ کہیں نے کہا۔ ”یہ ہمارا دوست ہے۔۔۔ دوست ہوتا؟“  
احسان نے کوئی جواب نہ دیا فرانس کے اپنے کہا۔ ”اگر مسودات ابھی سے ڈک میں بیٹھ جائیں۔۔۔“

”ضرور ضرور۔“ کہیں نے احسان کو رک میں اتار دے ہوئے کہا اور پاس کھڑے ہوئے سپاہیوں کا ان کا سامان لانے کے لیے بھیج دیا۔  
جب کھانے پانے کا ہوا تو کہیں سے آئے آٹھ بھجنے کے چھپے چھپا آباؤ حسان کو ڈیک سے اٹھا کر اس کے لمبا جی کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”وہ دو تک آگے ہی آگ دکھائی دیتی تھی اور اس کے پیچھے سرے۔ داغے والوں کا شورو غل ایسے لگتا جیسے آہ نوب کا ہر جنرل ہو چکا ہو اور اب زمین پر اس کا سنگ تیار ہو چکا ہو۔ احسان اپنے کو چھاتی سے اٹکے کھڑا تھا۔ اس کی کینٹین کا پانی جس احسان کے ابا نے اپنی گود میں دھریا وہ تمام سوکھ دھرائے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہوا میں کینٹین میں پانی کی مٹی تھیں۔ گولی بھیر آداؤ کے دوئے جاری تھی اور دشمن اپنے بوٹ ہاتھوں میں پکڑے فنی کی گود میں جھکی ہوئی تھی۔ ٹان ہاتھ کے پاؤں میں، چھالکے، پہاڑی سے گر پڑنے کی تھیں کر دیا تھا۔

جب تک چلا اور احسان نے پیچھے کے لیے ادھر ادھر دیکھا تو کہیں نے کہا۔ ”ابہ بیٹھ نہیں سکتے۔“ اب کوٹھالے جانے کا زور مانا کر دیا ہوا تھا۔ ”احسان کو ہر ماہ بہت ہند آیا۔ اس نے خوش سو کر غنائ کی طرف دیکھا اور پھر جنگی کے حضور میں پکھولیں لے گا لے گا۔

”اس میں کیا نصف ہے؟“ کہیں نے بچے کو چھو کر پوچھا۔

”جی بہنیں۔“

”جی تو ہے؟“ پرس کی مہنت کیا ہے؟“

”جی بہنیں۔“

”ابھی کتنے سوچتے ہیں۔۔۔ میں پوچھتا ہوں تم نے اس کے بنائے کوئی اور کتا کیوں نہ لایا؟“

”یہ دیکھیے۔“ احسان نے آگے بڑھا کر کہا۔ ”اس کے میں ناخن ہیں۔ دوسرے کنوں کے صرف اٹھارے ہوتے ہیں۔ پانچ پانچ آگے اور چار پیچھے۔ وہ اتنے طاقتور ہیں۔ ہوتے۔ جنگی بہت طاقتور ہے۔ اس کا سر دیکھیے۔ نو دو کتا صاحب یہ بڑا بڑا جانے کو تو پھیکا کتا کرے گا۔

”میں ناخنوں والے کے اپنے پیچھے بھیجی دیکھوں میں گا کر ان کی ٹھوکی چبا جائے ہیں۔“  
پانچ بیس نو اس کی آہی نے کہا۔ ”مجھے اس کی ہانی زمین زبردستی ہیں۔ صد نے کر دی اس جنگی کا یہ کم بہت نوس کے لیے سڑا ہو گیا ہے۔“

جب اڑتارہ زبردست فریب آگیا تو احسان اٹھا بھاگے۔ لیکن اس نے جنگی کو جی نہیں چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اسے کہیں صاحب کی طرف بڑھا کر دیا۔ ”وہاں سے پکڑے۔“  
”کیوں؟“

”مجھے پاؤں کھینا ہے۔ بڑے زور کی کھلی ہو رہی ہے۔“

کہیں صاحب نے فی کپ اپنی گود سے اٹھا کر احسان کے سر پر ڈال دی اور جنگی کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ جب وہ پاؤں کھینکا کر اٹھا تو ٹھنڈے سے کہنا کہ کچھ بہت خوش ہوئی۔ پانچ میں پکڑے ہوئے بوٹ پیچک کر بولی۔ ”سامان بھائی تم نے فریب کہاں سے لیا؟“ ”تم اس کے نوٹی جراب نہ دیا کیونکہ۔۔۔ وضعداری کے معافی تھا۔ پھر حق کوٹھالے جنگی اوتا کر اس کے مالک کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔

دست میں احسان نے اسے پتہ کیا کہ اس کے ابا جان وہی ہیں ہر ٹنڈٹ ٹٹے اور ان بوٹوں وہ ہائی او آئی کی شادی کرنے مانی آئے ہوئے تھے۔ دوسرا ایک کتہ سے رک گئی۔ ان دونوں کے پیچھے بیس میں سے دو آگے کے پیچھے بڑے دو پتہ کرنا تھا۔ کتا ایک دوسرا نہیں نے جنگی کو گود میں اٹھا لیا تھا اور وہ بھی دوسرے سے بہت بڑا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بیس بھائی نے تو اس کے۔۔۔ دس ڈالنے پر اسے اپنے بھائیوں سے جنگی، بڑے مزے تھے کیونکہ وہ جب دفتر سے لوٹے جنگی کتہ کی پٹی کر دی وہی تھا کہ اس کے آٹھ نوٹ وہ پٹی پوٹی ہائی جنگی کے آگے ڈال دیا کرتے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایک دوسرا نہیں نے اپنی پیچھے جنگی کوٹھالے دیا ہے کچھ صرف دوڑل کا ایک گولا مانا تھا۔ پھر یہ جنگی کوئی سڑا نہیں۔ احسان کا وہ چلا کر کاٹھ میں بیٹھ گیا اس دن بڑک میں ہوتے یہ کہ وہ نہیں کہیں صاحب سے مل سکتا اور جب اٹھی جان کا ذکر آیا تو احسان نے گنگوڑا آہن کر دی کیونکہ ان کا وہ جنگی کے متعلق کچھ مانا تھا۔

ان کی طبیعت میں ایک عجیب قسم کا خون تھا۔ جنگی تو خود خود دانب ڈانٹیں اور کبھی ماوسے کھڑے کر دیں کے لیے حال کر نہیں۔ ہر دو گولی جو اس کوئی جالی احسان کے دل میں تیر کی طرح اترتی اور دوسرے ہوئے لوہے کی طرح پھول کر جیسے اپنی میں ڈوب جاتی۔ اس وقت اس کا بس چلتا تو

ایک چھوٹا سا گھر لے کر اگلے دو تین سالوں میں وہ اور اس کا چھوٹا سا گھر کی زندگی گزار رہے۔ باقی اور اپنی بیٹی کو تیار چھاندھا جانتی تھیں۔ وہ ہمیشہ اس کی برائی میں اپنی کاساتھ دیتیں لیکن اس کے اوصاف گوئے میں انہوں نے بھی زبان نہ نکولی تھی۔ مٹی آنی بجلی کی قدر برداشت تھی۔ ان کا خیال تھا کہ جیسے اور چیزیں گھر میں ہوتی ہیں ان کی ہر ایک یہ بھی تھی۔ تاک میں ان کی پھیرتے ہوئے بھی کھارہ نہ نکلی کے پاس سے گزرتے تو اپنے گھٹے پاؤں سے اس کی ہاتھیں بھلانے لگتیں اور وہ چپے سے بل لیتے کر اپنی چاروں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ وہ اس کی ہاتھیں چمکے سے چار نہیں تھا۔ احسان سے قلم واداسے خوش کرنے کے لیے ایک اور گروہ موجود تھا جو تاتھیں اٹھانے کے نکلے سے محبت جتانے میں براہِ راست تھے۔

کراچی کی کئی کئی طرح ان سے ایک خوش گھر میں منگوا کر تار اور کمری وحسن مود میں مذہب تو وہ پیسے کھانے سے پہلے تھپہ ہاتھ میں شروع کر دیتا اور کچھ پارا گھر منہ دہرتے تو تیرا تھی بندوستان کی رہے۔ وہاں کہ تیس دن اور گھر کو کہا کیا سانی اور کون کراچی؟ وہاں تو ایسے ایسے آدمی دوسرے نہیں پا کر کر کے آج تک گھر رہا میں وہ دوسرے گزارے ہیں۔ میں مروت جاتا پر میرے بچے کو دھڑکھٹ چھوڑا تھا۔ خان داس اپنے سے نہ شرت تھی اور وہی جگا۔ دو تو صرف اپنے فن سے محبت کرتا تھا۔ وہ تھپانے کا اسے ایک خاص طریقہ تھا۔ ایسا سید جس سے بڑے بڑے سنگ دانوں میں کھینچ جائیں۔ بچے کو سار کرنے کے لیے اس کے جو کچھ کیا صرف اپنی تھپانے میں دھن کے قطرے کے لیے۔ اس کے قدم اسانے اٹھایا۔

جس دن لیے لے کر مٹے والی دو سترھیں کو اڑ کے سامنے سے گزرتے ہوئے برآمدے میں آکر بیٹھ کر فرما کھد کر لے جاتے تھیں تو تھپانے جاگ اٹھا۔ اپنی کھینچ دیوں میں نھنے سے بھیچوڑاں کو پورے زور سے پھلا کر اس نے دو دفعہ تھپانے کی اور پھر وہ تو گھن میں وہ کر لڑنے لگا۔ مٹی آواز سن کر باہر نکلیں۔ اس دوران میں دو فرماک وہیں چھوڑ کر بھاگ چکی تھیں۔ دنی نے جنگی کاپ کا ہار سب کوٹ یا۔ احسان کا پھر دو خوشی سے ٹھٹھا تھا۔ من کا دل چاہا کہ وہ جنگی کو گود میں اٹھ کر ایک بار لوں پڑم لے۔

انہی نے کہا "کتنا تو چہرے میرے سے چھٹ چکا جاتا ہے۔ میں بس دیوں کی رکھوالی کرتی ہے۔ کیا جو سوئے وہ پھر کو سو جائیں۔ ساری ساری رات آنکھوں میں کات دیتے ہیں۔ جیسی کہتے ہیں کہ گزرا اپنی بیٹی کو ڈانڈا دے دیتا ہے نہ کہ نہیں دیتا۔ یہ کہ تم تو ہے ہی

بچوں کا مصلحا۔ ذرا ٹھیک سے خود رکھنے سے خودوں میں شیر کا بھرا ہو جاتے۔ یہ ہمارے یہاں پائنتی کہاں۔ میں کاساتھ زورے سارا دن خاک اڑاتے بیٹھ نہ کر کے پھرتے ہیں۔ چال ہے جو اس کے نکلے میں جھکے سے بھی دیکھیں۔ پچھلے دنوں ان چھاندھا ہار وہاں میں پھر علی اس جوگی کہاں کہاں کی خبر بھی رکھوں۔ وہ خودی لوٹ پوت کرکھ کھڑا ہوا۔"

احسان نے کہا "مٹی میں تو۔"

"میں اب رہنے دے۔" مٹی تک کر لوں۔ "میں تم سب کے بھٹوں سے واقف ہوں۔ یہاں سب کی پاؤں گروہ ہے۔ میں کس کس کو کھانے؟"

احسان خاؤش ہو گیا۔ واقعی وہ اس کی خوراک کے متعلق قلم واداسے اس نے سوچا چلو آج اگلی بجلی ساری سرکل چل جائے گی۔ مٹی آ پاکی آکر پھر جو مروتی چند دن ہوئے خود اور وہی مٹی اب سخت سے سخت ہوئی تھی ہاری مٹی اور اپنی آٹھنڈا کٹرے سے پیالے لے کر مٹی تھیں۔ ان کی غیر موجودگی میں جنگی کھنکھن گئے تو اٹھ کھڑے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ انہیں مٹی کے پیالے سے آری نکال کر بغیر شتر زنی کے سر ہر گھر کر لانا دیا۔ احسان ابھی تک مٹی میں کھڑا اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا کہ مٹی پاؤں آٹھنڈا اور جنگی خیانت منسوب آؤ گی۔

گھر میں دن بڑی دل چاہیوں تھا اس دن سب کی شامت آئی۔ مٹی ہاری تھیں اور باقی سب بڑے کمرے میں مڑے سے لیٹے تھے۔ جنگی پڑھیں کر لیا سے آزادی نصیب ہوئی کہ پہلے تو اس کی ہاسی بٹھا میں نھنے سے تھپانے سے تھپانے کر چال پھر وہ وہی ہاتھ میں خوشی زور منہ دے کر پڑا۔ لیٹے سے ہاتھ ہادی باہر نکلیں تو مٹی کا پیسہ آگئی۔ جنگی کو خیر وہ تھیں جنگی مڑ کر کولوں کی بوریل کے پیچھے پچھو چھان دوسرے سب کیوں چھپتے اور مدھر کے گال لال دین کر سب اپنی لپٹا ہوتے تھے۔ کہاں تھا احسان کو بچہ؟ "انہوں نے کراک کر پڑھا۔" "جس دن میرا بھائی بڑی سن نہ تھا۔ اٹھ کے لایا تھا۔ اپنی اور کوئی چیز تو نہ لائے۔ طباطبائی اٹھا لیا کرمان کر دیا۔ ایسے جو مجھ کو پھرے ہوئے کی صورت پڑا جس سے مٹی کی حال جو کھچی آٹھ بھی مٹی ہو۔ جب دیکھو مڑا پڑا ہے۔ اور یہ سہا اسی حرام زادے کی کی قوت ہے۔ بڑھ بڑھ کے ہاتھ بات تھا۔ پھینک دیا حرام لال کھاتے ہیں سارا دن۔ میں پوچھتی ہوں حرام ہی کیا تھا تو سوئے فریگیوں سے حکومت کی ہوئی لے لی تھی۔ آٹھ یہاں یا تو جنگی رہا ہاں۔" "مروت جو میرا سناں کھنکھ ہوئی ہو۔" "مروت میرا کھنکھ کوئی آٹھ پڑا پڑا۔ وہ غصہ

خدا کا سہ کے دیوں کا پانی اُٹھ گیا۔ دیکھو کس طرح سے لیے تھے تین بیسے، وہ تھیں، نانی کا چوڑا چہا  
ہو یا یوں خان بالا چھٹکے اس کا سہ دوش نہیں تو ہاتھ پٹا یوں بائیں۔

خان ہنسے گا۔ اس نے بوجھت اچھوٹے ہنسے گا۔ اسی جہاں تھکے پال پڑ کر اتنا ہوا  
کیا ہے؟ انھیں کس کا کہنا آپ کے کمر میں نہیں آیا۔ میرے ساتھ میرا چھوٹا بھائی بھی ہے۔  
سب ہنسے گئے اورانی کے ہوتے بھی نہیں گئے کوئی شام کو کھینکی کے خلاف ہے، جی کا رد وانی عمل  
میں لائق کئی کہ اسے رات کو راتیں نہ ملا اور وہ چوک سے چپ ہو کر تمام رات چاگنا دے۔  
گھڑیوں کا کہنا

احسان کے دواں قریب تھے، مٹی اُپاڑا ہر سادہ گنا تھے، اپنے آگے والے ماک کہہ  
کر چکر تار بج دیا کر تھیں۔ انھیں اب احسان سے غصہ نہ تھا۔ وہ جی سے اجڑا جس احسان  
فریب آئے، نہ جان کی بچاگی برحق ہوئی۔ مٹی کی تھک تھک اُپاڑا ہوتے پھینکتے تو دور پر یکہ مشکل سے  
دوسرے صلیے پر کھینچتے تھے۔ اس کے بعد ہوا کے چھوٹے خند کے کھینکے لانے اور وہ قانون پر گاؤں کھیر  
کے سہارے لیتے جا تھے۔ باقی اورانی اپنے اپنے جھڑو کی مٹی میں سرخ ہوتے ہو جا تھے کیونکہ مٹی  
کا چھوٹا چادر میں اور خلاف مٹی وہ نہ گئے تھے۔ خان ذکر مٹی پر جمال سوٹھا تھا۔ سچ کے دس بیچے ہو تا  
اور اس کے نو دس بیچے صاحب کے بیچھے سے واپس آئے۔ احسان کے شول میں چڑھائی اب پیسے  
سے روز پندرہ گئی تھی۔ شرقی پنجاب میں اُس سادہ دھت ضائع کرنے کا نرمی انہوں نے کئی سوچا  
کہ کراچی میں تعلیم کے اوقات نہ ہوا دینے جا تھیں۔ روز ورت چھپے گھر واپس آئے۔ اس دوران میں  
جبکہ لاکھ چھپ چاہتا اپنی زنجیر داستانوں سے کاٹنا تھیں سے وہ نہ کھر جانا کھنکھن کی نہ پڑانی۔ اس  
کے گنگے میں چڑا ہوا چورے کا پٹہ ذخیرے کی زیادہ موقوفہ تھا۔ پہلے ذاتی پرچ بار سے اُٹھا  
چھوڑ دیا کہ جس لین اب وہ دسے سے گھر نہ تھے اس بری طرح سے اچھوٹی تھیں کہ  
انھیں نہ جان کہ ہوش نہ تھا۔ دلی لوگ جبکہ میں ذرا مٹی دیکھ کر تھیں لے دے تھے۔ ایک احسان تھا  
جو ہر پاسے اُسے گھماتے یا ہرے جا۔

پھر ہوا کہ وہ سواتر دودن تک ایک ہی جگہ بندھا دیا۔ وضہ دینوں کے نگرے  
ہاں سالانہ اور چھوٹی ہوئی دیاں اس کے ہنسے سے جھپٹا کر چلی آتی رہی۔ احسان کے سول میں  
ڈاسے کی رہبر مٹی۔ وہ ابھی تک نہ ہوا تھا۔ وہاں ہر جگہ مٹی کا اور جبکہ اپنے مالک کے چکر کے  
چھپنے لگا۔ افق کو جانے کہا تھا۔ جا کے انجھ کھول دی۔ وہ پہلے زمان کے فوس میں لوٹا۔ پھر اندر

گھس گیا۔ جب انی کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ قانون کو ہاں شراب کر چکا تھا اور ان کے پاں  
دان سے خوشبو لگنے بڑی تیزی سے سوگھ رہا تھا۔

”بائے تم بہت جھادو پھر سے کہنے کوئی گئے لکھے سارا قانون تباہ کر دو۔“ اور پھر  
چار سے چوٹی تک کے سر پر پڑی۔ ۳۰ سے بڑے اور وہ اس سے ہر گ کر اندر دھول کے جیسے  
جا چھا۔ اسی کا غصہ غز سے غز پر گزرا اور احسان لے کر اس کے اپائی تک کو ایک ہی سانس  
میں اسے کوٹنے لے کر سب کا منہ رگھیا۔ احسان گالوں کا ہر طور و کچھ کر سہا سہا اندر داخل ہوا  
تو انی نے چھوٹے ہی تھپتھپ کر پانچاؤ کر دی۔ وہ پھر اسکول کا لڑکا ہر باطنی دیتا دیا۔ جب اس  
کی انی عاجز آ گئیں تو ان سے کچکر کر تھیں۔ ”اب فیصلہ کرا ہی گھر میں دے گا یا کہیں اور جائے  
گا؟ سوچ لے ہمدی۔ اٹھالے ہند دے گا یا چاہے اس ہوتے سوٹہ کوئی۔“ بانو چھوڑ آئے  
یہاں سے بہت روز با پکا کوئی اور انی اُن کی اطلاع کر لے۔ ۲۰ سے وہاں میرے لیے کچھ نہیں۔“  
احسان اسی طرح خاموش کھڑا ہوا۔ دانی کی اس چڑھی ہوئی انھیں سے اچھی طرح واقف تھا  
لیکن جب خان اب دواں تھا تو اسے بھی اسی صلا میں متنازع رہا تو دوج ڈیو گیا۔ آج شام  
اس کی ہیڈ تھکر سے کھڑپ ہو گئی تھی اور وہ کچھ کچھ کھانے سو رہے تھے سوچ رہا تھا اور دوسرے پر سوڑے  
پر کافی نے نہ خنی لےنے کے لیے کہہ رہم ہو گیا۔ پھر پھان کا پٹ کٹری میں اور لیا کہ میں بھوتے  
سائیکل با پکا کر کھلی دھوکوں والی کھڑی میں جا رہا۔ دو چلا تو اس کا گامہا کہ خان ہے  
احسان نہیں۔

روادو تک تو سائیکل کے چھپنے لے گا روڈ کی آواز آئی دی۔ اس کے بعد معدوم  
ہو گئی۔ مٹی آئے تھیں سے لے گا دھاکہ پڑھا۔ ”اکی اکی اکی چھٹکے۔“ اُن کی ہنسا کر  
لوٹیں۔ ”کوئی سواخت تھی۔“ دیکھا کہ انی گھڑیوں کا گناہ۔

”پرائی۔“

”نہیں چھٹکے کے آتا۔ دو کوئی سر پھر تھوڑی ہے۔ لڑکی محوم گھر کے آجائے گا۔  
دیکھ احسان کے بچے اب اگر تو نے اس کا خیال نہ سنا تو راج کچھ بھلا کر دی گئی گندے نالے میں۔“  
احسان خاموش بچھا تھا۔ اسے ڈرگ دیا تھا کہ کہیں کچھ خاں کھینک ہی نہ آئے لیکن خان اتنا  
بر قوف تھوڑی ہی تھا۔ بددست سے اٹھا کر کہاں اس لیے تو نہ تھا کہ کراچی پہنچ کر چھٹکے دے  
آدھ گھنٹہ بعد خان واپس آ گیا۔ اس کا سانس بھولا ہوا تھا اور چہرہ غصہ سے لال

کافس، رفت و روائی دل کا فطری جہاں... پورا دھج خود ہی آ جائے گو پھر پھر کر۔ سہنے آپ ہی آ جاؤ کرے ہیں۔ پچھل کھین کا جا سدا"

احسان بریں کر بڑی کر خاک آباؤ سے رانے گا۔ سب دم و خود کھڑے تھے۔ خان پاؤں کے اٹھو تھے سے فرش کے رانے گا۔ خود بھائی سے کہ "اُس سرگئی چنے ہیں اس کی تلاش میں"۔ احسان خوش ہو گیا۔ کہنے لگے ہیں تو فریاد بھائی، دولتی ما، سے خاندان میں ایک تو فریاد ہی تو ہیں اور دوسرے تو سدا سے اپنے ہی گو بڑے ایک، درکیت سے خرچے ہوئے بھائی ہوں۔ احسان کی چٹائی کا نشانہ کر کے وہ پتلون پہنے گئے اور خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے "کہیں ہے ہوئی مار کیت؟"

"لاؤ کس روڈ کے سرے پر؟"

"لکھن وہ جو بڑا مار کیت ہے۔"

"اس سے دور اور ہے۔"

"اچھا! اچھا! انہوں نے کوٹ پہننے ہوئے کہا۔" اُن کو بھی احسان، دوست ہی کا تو راستہ ہے۔"

لیکن واسطہ صحت کا تھا۔

حاکم کل کا گھڑا پھر پھیلے لارڈ اس کی آواز اور دولتی جی۔

"بھائی جان نہ جان بڑا اعلیٰ ہے۔"

"سدا سے خان ایسے دتے ہیں۔"

"لیکن تو فریاد بھائی اسے نہیں دتا؟۔ وہاں جا کر جب اس نے بیکلی کو دیکھیں پھر چھوڑا

دھکا تو اس کے پیچھے بھاگا تو ضرور رہ گیا۔"

"نہرو۔"

"اس کے میں ناخن تھے تو فریاد ہی وراں کا سرا لٹا بڑا اعلا"۔ احسان نے ہاتھ پھیر کر

کہا "اب پتہ نہیں چلا رہا کہ وہاں کیا ہے۔ بھائی جان اس نے اُن تک نہ رہ نہ دیکھی تھی۔ دوسرا بی بی

بیوا، اور اب تک وہاں رہا۔ مجھے تو ہے کہ کس اور خرم کے بیچے آ گیا ہو۔ یہاں کے ڈرامیڈر

چلائے بھی تو آدھی کی طرح ہیں۔۔۔ جی جی شہزادہ کے بیچے آ گیا ہے۔ وہ سدا سے دیکھنے کے لیے

آگے بڑھتا ہوگا۔۔۔ لیکن تو فریاد ہی کی بیوی مار کیت ہے جاں؟ وہاں اُدھی بڑے سے گئے ہوں

اکا دکھ۔ احسان نے اسے خالی ہاتھ اندر آئے دیکھ کر کہہ۔

"جج کچ پھوڑا نے تون؟"

"کچ کچ اچھے سے پرودہ روٹی واسٹا کل برواشت میں ہوئی، اہی کو تو زیارت میں میرا ہی قصور نظر آتا ہے۔ بھلا، جس سے میرا کیا تعلق؟ یہی تاکہ اسے تو جیوں کی صفت خوشامد کر کے ترک میں سوار کر لیا۔۔۔ ایک دفعہ دانیے چنے نہیں دینے، دوسرے گھر بھی خراب بن گیا ہے۔۔۔ آخر... آخر... پھر خود ہی دک گیا۔"

بائی نے کہا "شرم نہیں آتی۔ ایک کھانے تو دوسرے خراٹے ہو۔ پتہ ہے کب سے یہاں پڑے ہو؟"

"شرم کہاں؟" اُبی روکھی ہو کر دہلیں۔ "پرودہ دفع سے جرنے کھا کر آتا ہے اور یہاں سب پر جب کاٹھنا ہے۔"

"مٹی اُبانے محبت سے آکھیں پھاڑ کر بچھا۔" دولتی پھیک آئے خان۔

"ہاں۔" خان نے کاٹھنا اعتراف کیا۔

احسان پہلے تو پھسک پھسک دیا۔ پھر اونچے اونچے چالنے لگا۔ "نہن کا بچہ۔۔۔ اُو

کا بچہ... میرا کیا لینا تھا۔ میرا جی نہ تا مجھے کہاں کی تھیں۔ اُدیا معین۔ ذرا سے چپے

گو... ذرا سے بیکلی کو... بتانا... کیوں چپکا ہے؟... کہاں چھوڑا ہے میرا بیکلی؟... مر جائے

اللہ کر کے خان کا بچہ... بول کہاں چھوڑا ہے؟ بول... میں اسکی تلاش کر کے لاؤں

گا... بتا دینا... بھائی جی۔"

"بھئی، مار کیت،" تون نے گردن جھکائے جواب دیا۔

"بھئی مار کیت؟"

"ہاں۔"

"کہاں ہے بھئی مار کیت؟"

"لاؤ کس روڈ کے سرے پر۔"

احسان تالسن کے ایک کونے پر چڑھ کر اپنی چٹائی کا تھنہ ہاتھ سے لگا۔ اس کی آنکھیں برس

دنی تھیں۔ ہونٹ جھک رہے تھے۔ برسنا کئی گھنٹوں سے اندر داخل ہوتا۔ اس کی ناک بہہ رہی

تھی اور دھم دھم سے کتبہ کا ہاتھ۔ جب دوپہلی میں کرا کھڑا ہوا تو اُبی نے کہا "کہاں چکے



تھا۔ اس کا سانس پھر تنکولے لے لیتے اور وہ سسکیاں بھرتا سانس لیں یہ جیت گیا۔

ایک نیا چمک تھ۔ ساری کالونی سوچتی تھی۔ صرف باقی لائسنس ہیز بیسوں پر رکھے  
ہوئے کے ستون سے لگی بیسی تھی۔ جب وہ لوگوں سامنے آئے تو لکھائی دینے کو اس نے  
اعلیٰ ترین کلاس میں اور لائسنس انجیئرنگ کرنا شروع کر دی۔ وہ اپنے بیٹے کو اس  
کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اپنے بیٹے پر لیتے تھے۔ تو قریب کے احسان کو دیکھا۔ وہ چاروں کو مل کر  
اور لے چار بائی پر بیٹھا تھا۔ ”اب سو سو سو احسان“ انہوں نے مکمل لپٹ کر کہا۔ ”کئی پھر کوشش  
کر رہی تھی۔“ احسان نے کوئی جواب نہ دیا اور چار بائی چاہا۔ یہی سیٹ لیا۔

یہ غیبِ ماوند تھی۔ اس وجہ سے اندھیرا چھایا ہوا تھا لیکن سمندر کے کنارے کتنا نور ہے  
اندھیرا کتنی فطرت چھاتا۔ ستاروں کی روشنی سمندر میں عکاس ہو کر تاریکی کو مٹھ کر منادی جی سے یہ دُور  
اجالائی مٹا سکتا ہے۔

توقیع ہوگا۔

مُلاؤ رُکے باہر بیڑھی ہوئی پھینس چکا کر رہی تھی۔ اس کی کہنا سنوڑی کے سڑے پر تھوکتی اٹھ اے سو رہی تھی۔ خان کے خرافوں میں جا کر تیز کرنے کی آواز میں آ رہی تھیں۔ انوار بھاگی ہوئے میں انگریز کی ہلنے لگے اور دو پتکے ہلاتے رہے۔ وہاں کی تیزی سے ہر آدمے کے پرے پر پھلاڑا رہے تھے۔ ایک عجیب طرح کا بے چین سا سکوت تھا۔ ہر ایک کی سانس آواز اڑے رہی تھی اور ایک ایک جیپ جاپ-ہوا، ہاتھ، احسان نے دو پا کر رکوس بدلیں اور ہر گناہ کر بیٹھا اور نیکی سے متعلق سوچنے لگے۔ اس کی پیدائش پرورش اس کی طرح بنیادی اس کے منہ کے اس کی سمجھ دانی بہادری، جاٹاری، فرض کی ادائیگی اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ اس کے ذہن میں کہ وہ کاف کی چوں کی طرح تھرکتے لگا۔ اسے نیکی کی زندگی کا ایک ایک دن یاد آ رہا۔ ایک لمحہ ایک ایک لمحہ اس کا دل اونچے اونچے آواز کے نچوڑا رہا تھا۔ ہر سارے سو رہے تھے۔ وہ دل میں جنکی کی لمبی فرار اور دشمن مستقبل کی دعا میں مانگتے۔ انہی دعا میں جن سے شہیت کو مارا بھی دیکھی نہیں! سوچتے سوچتے اسے بہت سی ایسی چیزیں یاد آئیں جو کبھی کبھار سنے تلاش کر رہی تھیں۔ وہ ہمارے ملک، لگا کر بیٹھا اور آکھیں، دیند کر خریدنے کرنے لگا۔

یا کہے کے قاررا

میرا جتنی کر دے حاضر

کیوں آئے۔ ہر رے پہاں کون اس سے پکار رہا تھا... لیکن جتنی زہد وہیں... ایسے لگتے تھے جیسے وہ مر گیا ہو۔ درمیان میں حاشی ضرور اس کا چہ تیار تھی۔ اگر وہ زہد وہیں تو ضرور میری آواز سن سکتا وہ زہد وہیں... کوئی گنگی کے لئے کتبہ یا دل سے اور کسی کو کیا خبر؟ وہ آوارہ و گمراہ تھا۔ خان کا بھی اس میں کیا قصور ہے۔ جب انہیں دیکھا۔ رونے والے ہوتے خان کو ہر اکبر کیس نہیں۔ اے... لیکن اس نے آٹھ ناکہ پر چڑھ کر دیا تو کیا ہوا۔ میں خود حضور نے "ہمراہ کے آئندہ کھٹے لئے" پر چڑھا۔ وہ زہد وہیں... اگر وہ زہد وہیں تو میری آواز سن کر ہر جا کا آ۔ آپ کو پہچان لیتا۔ کتے کو ڈھونڈنے کے سیلوں دور چلے جا کر کتے ہیں... دیکھتے تو حقیر بھائی کی دو جگہ سے نہاں ہے۔ بڑی بڑی ماں فریم سے نکل کر مری گئیں، وہ یہاں انہیں بتاتی ہے پھوڑے پر ہم کو لگوانے کی تمہیں آواز دیتے کھٹے میں ان کی حاشی ہمارے گھر کی تھی۔ بڑی ماں نے فریم پہنچے کبھی نہ تھی کبھی مری گئیں۔ مری گئیں ہر روز کوکڑی پر چاؤ کر گئیں۔ پر اس دن چہ نہیں ان سے میں کیا کی کہ نہ جادوی طرح بھاؤ کر چلے نہیں۔ وہ دن پہلا اور گرتے ہی، بس مجھ کو گھسیں وہ جس کو تھے کھٹے سے گم سے لیکن مجھے یہ زہد وہیں نہیں۔ مجھے یہ ہے وہ گم نہیں۔"

پھر بخاری کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اس نے کہا: ”میرا دیکھے بھائی جان۔ وہ زور دیا کہ علیہ۔“ اور جب سانکلیں کی تودہ زور لگا کہ چوٹی کی دیوار پھر تھک اندر چلا گیا اور اپنی جانب سے کچھ حال کر دوا لیا پھر کہہ کر دوا لے گئے۔ اگر یہ تک وہی طرح لب بات رہا اس کے منہ کی ٹھنک لہڑے ہاں چڑا رہے ہیں بجلی میں چلے رہے تھے سبھی کی طرح جلیجے جلیجے معلوم ہوتے تھے۔ پھر پھر چلائی ہوئی چوٹی کی گھنٹی اور گھنٹی سے ہوتے تھے دے تھے اس کے طبقہ کی غلامی کر رہے تھے اور جب وہ دیوار پھر تھک کر باہر آنے لگی تو کہا ”پھر تھک کر باہر جی رہی کر رہے اگر وہ زندہ ہے تو آرام سے رہے۔ اسے کوئی صاحب پال لے دے گا تو کئی کام اور بن جائے۔“

قرآن شریف کی حتمی حالت میں نے پوچھا: ”پیسے اس لیے نہیں چڑھائے کہ وہ مجھے دوا کیسے جاسے لگا اس لیے چڑھائے ہیں کہ یہ تیکل زندہ رہے اور کوئی اسے تکلیف نہ پہنچے۔“ پھر بخاری سب کی بات پوری کر دیتے ہیں۔ شاید میری۔ میری بھی۔“ پھر اس کی آواز پھر چلائی اور اس کی آنکھوں میں پانی جھلسلے لگا۔ ”ہمراے سے پہلے اس نے اپنی جیب میں پھر پھر ڈھونڈا اور بولا۔ ”ایک پیسہ دو گیا ہے۔ اسے بھی چڑھائے دیتا ہوں۔“ اور تیکل زندہ۔ شاید از زندہ رہے۔“

اور جب وہ باہر آیا تو پھر رونے لگا، اسی شدت سے جب وہ گھر سے نکلتے وقت رو رہا







سمجھا۔ صرف لڑائی خداداد و جھڑپاں ساتھ لے سونٹیں خود جاتا تھا۔

محل دران ڈاک پتھیں میں ضائع کرنے کے بعد مجھے چھ جلا کے یہاں کے انچیکر پابلیس چاہی ہیں۔ فوراً خانے پہنچا۔ انہوں نے گزشتہ دران ڈاک پتھیں میں گنارے پرست سریش کی اور میں ان کے یہاں اٹھا۔ مجھے بتائی کہ چار طریت سے بہت ڈرگٹا تھا۔

رپے دے کر خصوصاً سرکاری لفافے میں بند کر کے میں نے خداداد سے کہا "پتھیلے اسے ڈاک گھر لے جاؤ ورنہ پھر پکا ہوتا۔"

اس نے ڈاک کاٹے ہوئے سر پر اٹھا اور دو فی ڈانڈ میں بولا "لیکن ابھی ہڈیا کہاں پکی ہے چناب۔"

میں نے جھلا کر لٹافہ سیر ڈال دیا اور سٹیلی بنانے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ایک ہڈیا ہمیشہ چار حصوں میں پکا کرتا ہے۔۔۔ خداداد نے ایک دیکھی میں آٹو پال رکھے تھے۔ دوسری میں پکا لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ ان دونوں کو ایک ہی دیکھی میں ڈال کر ہلانے والا تھا۔ مصالحہ چون کر شیری اچھی کا مواد اس میں اڑھیلنے لگا۔ کیچے صاحب سائن تیار ہے۔ اس دیران میں اگر سٹیلی نہ پیچے تو اور کیا ہوا

خود خان ڈاک پتھیں سے باقی مارہ کا گنڈات لے کر گھر آیا تو اس نے تاجا کہ چپٹا لباؤں آفیسر میں ٹرک لے کر بے قیگی گئے ہیں اور مجھے اہل لئے کو کہا ہے۔ ضروری کا گنڈات کی چھان چین میں مجھے نظر براؤ جھگڑنگ لگا۔ جانے ہوئے میں نے دروازہ کھٹکٹا دیا اپنے چلنے کی اطلاع اندر بھیجی۔ پتائی سرخ کنارے والی دھونی اور سفید محل کا ٹیول والا گرتہ پتے پہراؤ نے اور کہنے لگے۔ "سوج بھکر چلا کر بھائی۔ تڑپا رہے ہیں ابھی سے نہ سوت دی" میں ڈاک میں سوار ہونے لگا تو اس نے ہماری چٹون ختم کر کہا "بھائی مجھے میرے لیے ۵ ٹال لانا۔" یہ بتائی کا لڑکا خٹکائی سے سات سال بچوں۔

ہارے پر خداداد ہزار پا کا چٹا حصہ ابھی تک پکار رہا تھا۔

برقہدی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ نہایت خوبصورت اور نرفضا۔ جو ہر کے ادھر ادھر کے چمنداروں میں چڑیوں کے غول بہر تک شجر چائے رہتے ہیں اور ان بھرنگائی کرتے چانور درختوں کی چھائوں میں پہلی کے اندر پتھیں۔ سچ ہیں اور غولوں کے چیرے گو بہاری موت اور چاول کی ۱۰۰ بیٹوں سے انہرے ہوئے تھے تاہم کبھی کبھی ان میں زندگی کی کوئی خوشی اپنی ہٹکت

دکھا جاتی۔ ایسی جگہ مقوی لہکیاں برآمد کرتے پھر ایک بے ایک ہی عبادت تھی۔

پورے میں دونوں کے بعد میں سچ ہیں بچے گھر لانا۔ چٹک کا دروازہ بند کر کے ہونٹوں سمیت جا۔ چالی پر دروازہ کھولا۔ جس کی پوش پوش صبح صبح ہونے لگی تھی صوٹے کچھ بے جان سا کر رہا تھا۔ بڑی جھٹ سے اٹھ کر باغیچہ میں چھوڑا اس احساس ہوا کہ لڑکی۔ دھوئے ایک ہفتہ اور چکا ہے۔ ابھی کچھ پھر در میں بڑا لڑکا اپنی خاکہ پکی کی آہٹ پٹے نہ پٹا لگا۔

"لاہٹے میں آپ کی شیوہ باندیں"

"شیوہ پر یہ بڑی عبادت کا کام ہے۔ تم سے۔۔۔"

"مہارت نہ مہارت۔ لاہٹے پر در بچو۔"

اور دھوپ باند تھی۔ کبھی اس کی لٹ سے پہلے کر ٹھوڑی کے چھوٹے لٹکی اور کبھی کندھوں پر پڑا ہوا مقید چار ہٹے کا در پتہ آتا۔ وہ کھڑی کھڑی ان دونوں کو اپنا اپنی بٹھ پر درست کرتی تھیں۔ در پتہ جھٹ آئے۔ آخر شٹک آکر اس نے اپنا در پتہ تار کر ساتھ دھوپ پکی پر ڈال دیا اور ٹھوڑی ہوئی لٹ کی پداند کرنے جلدی جلدی شور مچانے لگی لیکن ٹھوڑی کے کم کے بال ہر بار بے سونے رہ جاتے۔ اس نے پرش اٹھا کر ایک دم بہت سا سامان لگا دیا۔ پچھڑا کر در پتہ پچھڑا کر ٹھوڑی کے گڑھے سے خون کے ایک ٹکڑے سے سر لگا دیا اور حریں فٹے کی طرح لٹک گیا۔ اس نے گھبرا کر در پتہ پر رکھا اور خانی سے دو در پتہ اٹھا کر اور گولا مایا کر مہری ٹھوڑی کے ساتھ پاد پاد تجویز کر کے بعد کچھ لوہا کر بولی۔ "خود ہی کیجیے ہر خوش فٹا ناں۔ سم سے اپنا پاپ نہیں ہوتا۔"

جب وہ چلی گئی تو میں نے اپنے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ ٹھوڑی سے ایک شفا سامنے ملی سوتا پھوٹا اور بھٹا پٹیس سے بٹھی ہوئی اند چون ایسی ڈانڈی میں پاؤت کی ایک کرچی کی جگہ کانے لگتی۔۔۔

پاپ اپ اپ! اور میں بدوقت میز پر پڑے تھے۔

شام کو بتائی مجھے یہ دروازے کر در سے پر پٹے گئے کہ میں ان کی غیر موجودگی میں جہرگز نہ سوسوں۔ کمرے کا چٹکرات بھر جناد سے لا کھڑاں اور دشندان کھلے ہیں۔ سب ٹھک ہوئے پر ابھی انہیں میری جان کا خطرہ تھا۔ وہ چلے گئے تو امرا کرمت بسورنے لگا۔ "بھائیانی آپ میرے لیے ٹالناں کیوں نہیں لائے؟"

"ٹالناں؟ درافناں کہاں ہیں۔ برقہدی نوک گاؤں سے چھوٹا سا۔"

"نہ بھر گئے سپرد بچے اس ڈور لے آؤں گا۔"

"میرے پاس اس وقت کچھ نہیں۔" میں نے ہٹا دیا۔ "پکی سے لے لو۔"

"وہ نہیں دے گی۔"

"وہ کیوں نہیں؟ تم میرا نام لے کر مانگا۔"

"اور جب بھی میں دے گی۔"

"تو اسے یہاں بلاؤ۔"

"اچھا۔"

بچی نے اکر بتایا کہ جب سے بی بی کا انتقال ہو گیا ہے اس پر بہت غصہ ہو گیا ہے۔ پتائی اس سے بہت لڑکھڑکھنے لگی ہے اور یہ بکڑتا جاتا ہے۔ ساوا دن جاتی کرٹھک کر رہے۔ تو کروں سے جھگڑتا ہے۔ ملنے لڑکوں سے کھیلتا ہے اور دوسرے بچے کا پتہ نہیں لگا رہا ہے۔ اگر مجھ سے خوف نہ دکھاتا تو نہ سکول جانا بھی چھوڑ دیتے لیکن جب میری سفارش پر وہ بچی سے دو آنے لے کر ہمارے گھر آئی ہیں لے کر کہا "اسے اب جان کے پاس لے جاؤں؟"

"ابا جان اب بھی مارنے ہیں کیا۔۔۔ اسی طرح؟"

"پاس پاس اسی طرح۔۔۔ میں مسکرایا۔ "بلکہ اب تو ان کا غصہ اور بھی خیز ہو گیا ہے۔"

"سچ؟" بچی ایک دم جذباتی ہوئی۔ "بائے میرا دل ابا جان سے ملنے کو کتنا ترستا ہے۔"

"تو چلو بھر۔۔۔"

میں نے کہہ کر وہ مسکرائے گی اور میرا کرولی۔ "اہں ہوں۔"

میں نے کہا۔ "بچی بارے نا ابا جان نے ایک دفعہ تمہیں بھی پتا تھا؟"

"ابا جان! اس نے آنکھیں کھینچیں۔ "یہاں بھڑکی توئی ان کی۔ آدمی کر پورا اور آدمی باڈو بر لیکن سادی شرارت تو نہ ہادی تھی۔ جنہیں نے فیچھے بچے کے گھر دے دیا ہے کہ تو شب دیکھ تھی تم پر سے سر نہ بنے جب؟"

"دوسرے۔"

"اب تو خیر اچھے ہو۔ سرکاری ملازم ہو۔ لی۔ اسے پاس ہو۔۔۔ پاس بچہ نہ بی۔ اسے کہے پاس کر لیا؟"

"جیسے تاکہ نہ ہیں۔"

"نصف اڑا کر؟"

"نہیں؟"

"میزک میں تو تم نے خوب نفل اڑا لی تھی۔"

"میزک کی؟ میں چھوڑ دی۔ اسے میں رہا نہیں تھی۔"

پتائی ہنس پڑی۔ "اگر میزک میں باؤس بولڈا کا وٹس نہ سوتا تو میں بھی اسے پاس نہ کر سکتی۔ بھلا حریفیہ دینی کیسے بنا سکتا ہے کہ ایک ہل جب خوش کو دیکھنے میں خلی کر رہے ہے تو دوسری نالی اسی خوش کو کتنے عرصے میں خالی کر دے گی۔"

یہ کہہ کر وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور آدھی سے کہا۔ "میں اب جانی ہوں نالی، اہں ادھر آ رہے ہیں گی تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ پر اسے خیال کی عورت ہیں؟"

"جیسے نہادی مرضی لیکن تمام کام کوشم۔" لیکن "میرا دیکھیں گے۔ میں جہیں باب ایک پڑ دکھاؤں گا اور ہم اسی بائیں بائیں کر رہیں گے۔" میں نے ہاتھ کوئی کر کہا۔ "اٹنی سادی"

جس اچانک پتے سے وہ اٹھی تھی ان اچانک میں سے بیٹھ کر بولی "تمہیں اس شعر کا مطلب آتا ہے؟"

۔۔۔ جو بات دل میں روگنی تشریفی

جو لب پہ آگئی زن و دار و دی

میں نے کچھ دیر سوچ کر کہا۔ "لیکن تم اس شعر کا مطلب سمجھ کر کہا تو؟" اسے اپنے ہی رہنے پر۔ "مجھے سمجھ میں آئے لیکن تو انسان کی روح ہے مان ہو جا کر مٹی ہے۔"

وہ بھی کچھ دیر سوچ کر بولی۔ "میں نے پتائی کی بات دینی سے اکثر شرعوں کی کتاب میں نکال کر لے کر پڑھی ہیں لیکن میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا۔ دلی کہتا ہے خوب ہے ماں کو کشتہ دینا ہے کہ مجھے کچھ پتہ نہیں چلا۔"

میں نے بے تکے میں سے کہا "مجھے ذرا سے تمہی دان فرمودہ شعر نہ کہتے تلو۔"

اس کی آنکھیں جھٹکا نہیں۔ ہواؤں پر نہ بان بھیر کر بولی۔ "تمہیں یاد ہے جب تم "لیکن" کے کون میں اس ذکر میرا دیکھنے لگے تھے اور مجھے بھی سنا دئے کہ کب خدا نے کہا کہ جو اب امانسا۔ میری بالکل اسی حالت ہے۔۔۔ مجھے زندگی میں نہ دوزخ دے موت سے میں

نئی سی خاک ہو لیکن کبھی اپنے آپ میرے حشر سے پریشان ہوتا ہے۔ اے خدا! مجھ سے  
ایک غزل نکالو دے چھوٹی بھری چھوٹی قزل۔ اس کے بعد چاہے تو مجھے موت ہی دے۔“  
یہ کہہ کر وہ پھر اٹھ کھڑی ہوئی، ”کہنے لگی، ”ایف۔ اسے میں تمہیں شاید معلوم نہ ہو میں  
اردو میں اول آتی تھی۔ ہانگتی تھے جیسے چھپا ہوا دیان غالب تمام دیو۔ جب سوچتی ہوتا تو  
اکثر وہی بول کر لایف۔ اسے میں فرست آ کر مٹی میں دیوان غالب سمیٹیں سکتی۔“

شہسائی کو پسند آ رہا تھا۔ ایک لمحہ بھی نہ دیکھتے تھے کہ ان میں اسے اردو کے لکھنوی اور وہ  
لیکن صرف تھے کہ ان میں ہر چہڑے چھوٹے۔ رسل لیکن۔ دو کیوں اس قدر میں تھی؟ غالب  
کے شعروں کی طرح اس میں بھی کچھ

شہسائی کو میر ”کے“ ”گفتن“ میں گھرے ڈالنے کے ”اب یہ علاقہ نسلوں سے ہانگنا  
صاف ہو چکا ہے۔ سب سے بہت بڑے ہوتے ہیں۔“ میں نے ہوا میں گھون گھون کر کہا۔ ”سب کو  
مارتے ہیں۔“

چلتے تھے اسے ہلاک۔ ”یہ تو آوارہ ہو گیا ہے۔“ اسے باجوں کے پاس لے جاؤ۔“

اس نے جھرا کر پڑھ لیا۔ ”ایسا تو کون؟“

”ہیں ایک۔“ ”مٹی کی۔“ ”بسم اللہ سے پٹ چکے ہیں۔ ایک اندر تم بھی ان کی دیکھا  
دے تو لکھیک ہو جو دے اور اس کی آواز نہیں کر دے۔“

”مرسم کیا۔“ ”کیونکہ سب نے؟“ ”ہر دو دن میں پڑے۔“

”شہسائی کو نے دلی میری کے پیچھے لے گیا اور اسے تھلا کر جب ان کی تہ پہلی ان کی ہر  
ہوئی تھی اور میں شہسائی سے پیچھے تھے اسے تھلا کر اسے میں نے پٹی کا ہاں میں یہی پڑھ کر دیا تھا۔  
وہ سامانی جاکر میں نے دیکھا اسے دیکھا کہ وہ پڑھ کر دیا تھا اور اب وہ ان میں نے تھلا کر کھینچی  
پٹی ٹھنی اور اس جڑی کی جڑ کھودے تھی۔“

”کیا کر رہی ہو؟“ میں نے جھک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ ہنسنے لگی۔ ”اکی دن میں نے تمہارے نام ایک خط لکھ کر یہاں دیا تھا۔ اسے دیکھ  
رہی ہوں۔“

میر نے اس میں غائب کا دیان پڑھ کر لے لیا۔ ”انتہن چھ سال بعد اب اس کا کیا چھا  
ہوگا؟“

”جہاں تو کچھ نہ ہوگا۔“ اس نے اپنا منہ اوپر اٹھایا۔ ”میرا سنے عرصے کے بعد آج پھر ایک  
صاف کرتے کو گویا جانتا ہے۔“

اس میں باتوں کو بالکل نہ سمجھ کر اس کے وہیں پر شاید ایسا جان کر بھوت سا تھا لیکن  
میر سے دل و دماغ پر غالب کی وہ ساری غزل لکھی جا رہی تھی۔ ”موت ہوئی ہے یا کہ وہاں کیے  
ہوئے“ ”جوشی قمر سے ہر دم چمن افسانے کیے ہوئے۔ دھوتی ہوگا ان کیے ہوئے چاک کر گیاں کیے  
ہوئے“ ”تھوڑا جاناں کیے ہوئے“ ”جیسے طوطا کیے ہوئے۔“ لیکن طوطا ان کو تو دیکھا تھا اور میں تو  
گھر سے ہوتے چوں کے انہیں میں سے کچھ بچے تھے ان کے کام پر ہوا تھا۔

رات کو امرانی چار پائی میرے کمرے میں اٹھا لایا۔ بہت دیر تک باتیں کرنا رہا لیکن  
میں نے شاید اس کی کسی بات کا جواب دیا نہ ہو۔ پر جب وہ چلی گئی کوئی بات نہ تو میں غور سے سنتا  
اور شوق سے جواب دیتا۔ سوئے سے پہلے اس نے اپنی ٹھنی اتار کر کہا۔ ”آپ کبھی جتنی اچھی لکھتی  
ہے مجھے اتنی ہی برکت۔“ اور پھر کمرے میں بدل کر خاموش ہو گیا۔

دوسرے دن میں نے اپنی ٹھنی کے امرو کو پھینک دیا۔ میرے کمرے پر لگی ایک ایک سطر اٹھ کر  
دیا۔ میں نے دیکھے ہی آ نکھیں بند کیے ہوئے جواب دیا۔ ”بھئی ہم تو جاگ رہے ہیں۔“ اس  
جڑی کی ہے۔“

”جاگ رہے ہیں تو نہیں۔“ اس نے میری ایک انٹھی۔ ”جب بڑے میں ان کے  
دس بچے سو کر گئے تھے تو پھیلوں سے کوئی کیا کیے گا؟“

جب میں اٹھ کر بیٹھتا تو اس نے امر کی اپنی ٹھنی سے میری کرتے ہوئے کہا ”اتنی چھوٹی  
ریاست سے اتنی بڑی حکومت چلائے ہو۔“ ”کچھ کام بھی کیا کرو۔“

میں نے ہاتھ پر حا کر میری پرکھی ہوئی کانوں کا پلندہ اٹھا لیا اور پلندہ کھولنے کا غذا  
لئے لکھتی چلی گئی جو کبھی بھی اس کا جواب دینے کی بجائے اس پر عمل کرنے میں لطف آتا تھا۔

اس کو کئی چار دن تو وہ تک صرف لکھنے کی چٹائی کھاتے ہوئے کرتے میں آئی۔  
ایک بھانک مجھے دے کر کہا۔ ”اس میں غلوں ہوتا ہے۔ ہر روز نہا کر دیکھنا سے آدھی ایسا ہو جاتا

ہے۔“ اس نے اپنا اٹالی دیا دیکھا۔ میں نے جھک کر اسے دیکھا اور اس نے کھانسی سے میرا بیٹھ اٹھا  
کر اپنے سر پر دیکھا۔ پھر آگے میں دیکھ کر لکھی ”میں تم لکھتی ہوں نا؟“

میں بھٹا تو اس نے بیٹھ دیا میرے حاکم کے کہا ”اب تو لکھتی ہوں نا۔ یہ دیکھو تمہارا سے

ایسی ٹھوڑی اور ٹھوڑی کا کل۔ تو بہت بھاری تاک ہے اور تباہی چھوٹی چھوٹی نکلتی... اور وہ دیکھو، یہ سہارے اسے کھینک رہی ہیں سلیوٹس۔ پھر اس نے اپنی ٹانگیں چوٹی کا کچھ بڑا کر ٹوپ میں دکھایا اور بولی "مب؟"

میں کچھ جواب بھی نہ دینے پڑا تھا کہ وہ کرسی پر جا گئے رکھ کر بولی "تمہیں خبر ہے عبت قبی؟"

میں بولا "کب؟" عبت؟ لیکن تمہیں کہاں سے باؤ سہا؟"

"اے بی... جب ہمارے اسکول میں ڈرامہ ہوا تھا تو خبر بخشی تھی... تاکہ تا تمہیں اس سے عبت تھی؟"

میں نے جواب دیا "نہیں!"

"لیکن اسے تو تھی۔"

"ہوگی... بکوں سے دنیا میں جو برائیاں نہیں کرتا۔"

اس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ گھٹی ہوئی آواز میں اس نے میرے عی القلاد ہراسے۔

"پاس نکون ہے دنیا میں جو برائیاں نہیں کرتا۔"

"لیکن پتی،" میں نے اس کا راس نہ دوک لیا، "یہ حرافت کوئی چیز چھوڑیں۔"

"بھئی ہوگا۔" وہ دودھ بھلی گئی، اسے میں خدا ہوا گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ وہیں ترک لے کر آ گیا ہے۔ وہ ان دونوں لوگوں کو بندوستان لے لے جانے کا نیکوکار اب ان کا باؤ دیر بہاں ہوتا مناسب نہیں۔

میں نے کہا "تھک ہے لیکن تم خود دین کو اب بھی نہ جانے دو کہ کتنا اتنا کلاؤ دو لوگ میں گونڈنی کے چھپے کسی جا پانی ڈالو! انا غائب ہوا کر کے آیا ہے۔ ڈواؤ واس ہو کر۔ کل صبح بھیج دتا۔"

خدا داد چلا گیا اور میں نقلی خاندان میں جا کر کپڑے اتار دے گا۔ پانی خوب خندا خدا۔ نہ تک نہ ہاتا دیا۔ رات سے باقی پانی نے جسم میں ایک ہی تازگی چھوٹ دی۔ خضہ سے دانے نے پینی کے بہت سے برافانی جسے خراشے اور دھوڑی آگے کھڑے کر دیا۔ جب میں نہا کر نکلا تو وہاں ہوا باز لڑکیاں گولڈر کی دہلیز سے گئی تھیں جس میں ان کے کپڑے پھینکے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہیں ہوتی نہیں اور وہ اپنے آپ سے بھی پھٹی ہوئی نہیں۔ میں نے انہیں دیکھ کر ہر دم نظروں

سے دیکھتا نہ ہر دو لوگ ہوں۔ پونجی پاس سے گزرنے ہوئے دو میرے سامنے آگئی نہیں۔ وہ پھر کب میں چار پائی پر لینا خباہت پر ہوا تھا۔ پکی پر بکٹ صاف کر دی تھی کہ ڈاک کا ہر کارہ و با ایک دوسرا لاف لاف تھا۔ میں نے لاف لاف چھٹ میں پکڑ کر ادھر ادھر دیکھا تو پنی نے فوراً پناہ اور شاپ بین نکال کر مجھے دے دیا۔ میں نے دھڑلے لاف لاف کھول کر پناہ دیا۔ ایک عرضی تھی نا فب کے دو خطوں پر مشتمل۔ کسی مونیو لو کی کی روداد جو اس کے والد بن نے پاکستان سے لکھ کر بھیجی تھی۔ میں پہلی چند سطر پر پڑ کر ہی سارا مضمون سمجھ گیا اور اسے پتلی پر رکھ کر پین سے کھینچنے لگا۔ جب ایک گہرے نشیب تھا۔ میں نے پنی سے پوچھا تو اس نے بتا کر ڈاک کا دفعہ دھارنے ان میں اس حریف پر کھٹے والی دوشانی بھری تھی وہ پنی نے صفائی کے لیے دو میل میں فب لپٹ کر بڑی مشکل سے وائٹوں میں پکڑ کر پین سے باہر نکلی تھی۔ جہاں وہ مال کی دیکھ رہی تھی وہاں دانست کا گہرا نشان پڑ گیا تھا۔ بدوستان اس کا پنی ادھر ادھر چھاؤں دے گئی۔ پتلی کی یادیں آتی تو عرضی جھٹکے سے بچے گئی۔ میں نے اٹھا کر پین سے اس کے حاشیہ پر ذرا ایڑا مارا کہ لکھ دیا "بہت کوشش کی لیکن کوئی سراسر نہیں ملا۔"

جب دو سب چیزیں اپنی اپنی جگہ فریٹے سے دکھائی گئی تھیں تو پانی نے عرضی اٹھا کر پڑھنے لگی۔ پڑھنے کے دوران میں اس نے مجھ سے اکثر پزیر کے دو مشکل الفاظ کے سنی پڑ گئے۔ جب پڑھ لگی تو کاغذ میز صاف کے میرا دیکھ دیا کہ پڑھاؤ دیکھنا کہ عرضی کو میری گود میں پھینک دیا۔ "کتنے مشکل دہن؟"

میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں دھند کا ایک پٹکا سا غبار چھا گیا تھا۔ وہ مجھ سے میرے کمرے میں نہ آئی۔ امر میا نا فب دیا۔

مجھے خفت افسوس ہوا کہ اس کو میرے غلغلہ نہ دینے سے کچھ بچایا۔ حرافت بھی تھی لیکن احساسِ ایمات کے ساتھ ساتھ ایک ابا غنا خاص میں ہر پڑ پڑا حراساں آن کی آن میں کھو جاتا۔ میں کام کرتا تھا بالکل نیشنل کی طرح۔ سوچا ہمیں نیشنل کی طرح تھا۔ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا تھا... اور بہت دیکھا تھا لیکن اس پر باؤ وہ اس کے کمرے کی وین آنکھوں نے دیکھا تھا۔ لیکن نہیں آتا تھا۔ ترک میل دے دیں۔ ہوسکتا ہے نہ ملے ہوئے۔ مونیو لڑکیاں برآمد کی جارہی ہیں۔ شاید نہ کی جارہی ہوں۔ پاکستان میں گیا ہے کیا ہے نہ بتاؤ۔ میں میں ہوں اور پنی پائی... لیکن ہے غلط ہو... میں تنگ دل نہیں تھا۔ دراصل بھڑوں میں گھر کر پھر گیا تھا۔ میرا

ایسی چھوٹی اور بھڑکی کاحل، جو ہر تہا دی تاک ہے اور چہا دی چھوٹی چھوٹی آنکھیں... اور وہ دیکھو۔ ہر تہا دے سامنے کی کسی سلوٹ میں "پھر اس نے اپنی لکھی ہوئی چوٹی کا کچھا بنا کر نوپ میں رکھ لیا اور بولی "آپ؟"

میں کچھ جواب بھی نہ دے دیا تاکہ وہ کرسی پر ٹانگ رکھ کر بولی "تمہیں خبر ہے صحت ختمی؟"

میں ہلکا سا "صحت؟ لیکن یہ تمہیں کہاں سے پتا آ گیا؟"

"اچھے ہی... جب ہمارے اسکول میں ڈرامہ ہوا تھا تو خبر اٹھتی تھی جی... تاکہ تمہیں اس سے بہت ختمی؟"

میں نے جواب دیا "نہیں"

"لیکن اسے تو ختمی؟"

"جی... کہیں سے وہاں جس جو بہت جانت نہیں کرتا۔"

اس کا لہجہ دم بدل گیا۔ "تھی تو آواز میں اس نے میرے ہی الفاظ دہرائے۔"

"ہاں! توں ہے وہاں جس جو بہت جانت نہیں کرتا۔"

"لیکن پتی؟" میں نے اس کا راستہ دوک لیا۔ "بہت جانت کوئی پتی تو نہیں۔"

"بھئی ہوگا۔" اور وہ چلی گئی۔ اس نے میں خداوار کیا۔ اس نے بتایا کہ محمد دین ترک

لے کر آ گیا ہے۔ وہاں تو فوس لڑکیں کہ ہندوستان سے لے جائے گا کیونکہ اب ان کا پادہ دہر ہیں اور بتانا سب نہیں۔

میں نے کہا "فک کہ ہے لیکن تم محمد دین کو بھی نہ جانے دو۔ کھانا انا کھاؤ اور دنگن میں گوندنی کے نیچے اس کی چاؤ پانی ڈال دو۔ انا سنا سکر کے آیا ہے۔ ذرا آرام نو کرے۔ کل صبح بھیج دو۔"

خداوار چلا گیا اور میں اپنی غسل خانے میں جا کر کبڑے اتا دے لگا۔ اپنی خوب نصنفا تھا۔ ایک تہا تا دہر رات کے باقی پانی نے جسم میں ایک تپتی تازگی بھوک دی۔ خضرے و سارے نے پتی کے بہت سے برقاں جسے ترانے اور دھن کی آواز کھنکھانے لگا۔ جب میں ہمارا کھانا دوں ہاؤں ہاؤں ہاؤں ہاؤں کی گھنٹی دہرے سے گئی پٹی میں۔ ان کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کی گھنٹیں گھنٹی ہوئی نہیں اور وہ اپنے آپ سے بھی بھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں دم بھر دیکھ کر

دے دیکھا خبر کو لڑکا ہوں۔ پوچھا پاس سے گھر دے ہوئے دہرے سامنے آ گئی تھیں۔ وہ ہر کو میں خدا دینی پر لہنا اخبار پر دہر دیا تھا۔ پتی بریکٹ صاف کر دی تھی کہ ڈاک کا پرکار دے گا۔ ایک دہر لڑکا لانا تھا۔ میں نے الفاظ ہاتھ میں پکڑ کر اصرار دیکھا تو پتی نے فوراً پتا اور شاہ پتہ نکال کر مجھے دے دیا۔ میں نے دھکا دیا۔ الفاظ کہوں کہ چڑھا۔ ایک عرضی تھی نائب کے دو مٹھوں پر مشتمل کسی مٹھ پر لڑکی کی دودھ دیا جس کے والدہ بین نے پاکستان سے لکھ کر بھیجی تھی۔ میں لڑکی چند سطر پر چڑھا کر عیاں مٹھوں کچھ خداوار سے پتائی کر رکھ کر پتے سے کھیلے لگا۔ جب میں ایک گہرا شائبہ تھا۔ میں نے پتی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایک دھرا دے اس میں تھی پر کھینے دلی دو شیل بھری تھی اور پتی نے صفائی کے لیے دو میل میں نمب پلٹ کر بڑی مشکل سے دھنوں میں پکڑ کر پتے سے باہر کھینچی تھی۔ جہاں دھرا کی تاکہری تھی وہاں دانٹ کا گہرا نشان پڑ گیا تھا۔ یہ داستان سنا کر پتی اور خداوار چھاؤں ماوے لگی۔ پتائی کی باوی آئی تو عرضی جھکے سے نیچے گئی۔ میں نے اٹھا کر پتے سے اس کے ساتھ پر ڈال دیا تاکہ اس کے لکھ دیا بہت کوشش کی لیکن کوئی سراں نہیں ملا۔"

جب وہ سب چیز کہا پتی اپنی جگہ فرہنے سے دیکھ بکلی نہ پائی سے عرضی اٹھا کر پڑھنے لگی۔ پڑھنے کے دوران میں اس نے مٹھ سے انگریز کے دو مشکل الفاظ کے معنی پوچھے۔ جب چڑھ بکلی نہ کھنکھانے کے بعد خداوار ایک پر خداوار دیکھا کہ عرضی کو میری گود میں پھینک دیا۔ "کتنے سنگدل ہو تم؟"

میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں دھند کا ایک پکا سا غبار چھا گیا تھا۔ دن بھر وہ میرے کمرے میں نہ آئی اور بھی تاکہ رہا۔

بچے ختم۔ فوس ہوا کہ اس کو میرے عقد لاندہ دینے سے دھکا پہنچا۔ ہر اسے بھی نہیں لیکن احساس غم اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسا خلا جس میں ہر جذبہ ہر احساس ان کی آن میں کھو جاتا۔ میں اس کام کر رہا تھا کہ مشین کی طرح سوچتا تھا کہ مشین کی طرح تھا۔ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا تھا... اور بہت دیکھا تھا لیکن اس پر باوجود اس کے کہ میری اپنی آنکھوں نے دیکھا تھا لیکن نہیں دیکھا تھا۔ ترک تیل دے دیے۔ جو سکا ہے نہ چل دے۔ ہوں۔ سولہ لڑکیاں برآمد کی جا رہی ہیں۔ شاید کی جا رہی ہوں۔ پاکستان میں گیا ہے کہ پتا ہے نہ پتا۔ میں میں ہوں اور پتی پتی... لیکن ہے خداوار... میں سگ دہر نہیں تھا۔ وہاں ہر فرد میں گہرے بغیر تھا تھا۔ میرا

نہ دین جانے کچھ تو پتہ لے کر آواز میں کہ "اور دیکھو نہ کب گھنٹے سے کال کر گئی میں نے جاننا"۔ پھر خدا داد اور محمد خان سے مخاطب ہو کر بولی۔ "جاؤ آخر بھی ٹک میں جاؤ"۔ خدا داد ٹپٹا کر ضرور لیکن بڑا اچھا نہیں۔

بہت سوائے پہلو سے منہ والی اندھیری گئی میں جو رہے تھے تو پتہ لے کر آواز میں کہ "جی ٹھیک بہت برا آواز ہے۔ میں نے عرض میں آج کا کام پڑھ کر ہی صحتی حالت کا اندازہ لگا لیا تھا تو اب اس کا درست ہے اور میں اسے پچھتاؤں گا کہ وہ چاہا کیا کہانے مستحق نہیں۔" کاش کہ نہ سننے کے پچھتاؤں میں شرم سے سرخ ہو جاتی۔

"میں بہت نام ہو چکی تھی صاف کر دو۔ دراصل۔" اور میں اسے ساری کر بیٹھ کر کہتے کہ "راپے دل کی حالت جان کر ہی اللہ تعالیٰ نے صحتی کے لیے۔" ہاں بابا میں صاف کر دوں گی ضرور صاف کر دوں گا۔ ایک ماہ اس کی آنکھیں اندھیرے میں بند ہو کر طرہ چٹکیں اور اس نے گھر آکر کہا۔ "برا تو تمہارا منہ دیکھو نہ کچھ جی۔" انا ہے۔

مجھے جتن کچھ کہے۔ کان کے کچھ آواز سے سزا کر کے وہ اندر چل گئی اور وہ بند رہا صحت تک وہاں۔ تمہارا کرتی رہی۔ کبھی کبھی مجھے اس کے منہ کی قہقہے سنائی دیتے جس میں جتن کچھ اور اس کی دوی کی کھوکھلی ہنسی بھی شامل ہوتی۔ جب وہ باہر نکلتی تو اس کی سانس پھولی ہوتی تھی۔ وہ بوجھ کہتی "کچھ میں نہیں آتا تھا۔" یہ بچپن برائی کی طرف دہکتی، دھرجاتی اور کبھی اوجھ۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مجھے دروازے کے ساتھ کھڑے ہونے سے کہہ دیا۔ میں نے قہقہے میں کہہ دیا "اچھا اور ڈھنگائی ہوئی ناگول سے وہ میرے کندھوں پر چڑھ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس کے پیچھے سے شروں پر گئے وہ میرے ساتھ میں کھب گئے۔ دھم گودا چوڑی میں نے اس کی گندھی میں چوڑی کے ریشمی پھول پر دھک دی۔ ایک سیب ملان تھا۔ جب وہ اترے تو چپچپے کواؤں گئی۔ تو ازان تو مرنے کے لیے اس نے میرے ہاتھ کو اس منہ دہی سے پکڑا کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جب وہ اتر گئی تو چھوٹ سے ایک اور ناگول لٹکی۔ "سنا اتر رہی تھی۔ چاروں کی طرح قدم اٹھاتے ہم ٹک تک پیچھے۔ محمد خان تختہ ترانے کھڑا تھا۔ جب سنا بیٹھ گئی تو میں نے خدا داد اور محمد خان سے کہہ۔

"ابھی میں جتن میں بیٹھ رہا تھا۔ جتن کچھ بہت کرا آواز ہے۔"

"نہیں تم۔ تم یہی۔" میرا گھر دھڑکیا۔

اس میں میرا گھر اسیروں کا سب بچھا گئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا کب میری لنگی میں کوئی چیز پھنسی۔ چوہ کا جوتہ ہوا کہ عرضی سے اچھا لکھا ہوا بیکارک بیٹے سے کھینچ رہا تھا۔ اب کا تھوڑا دو چھوڑا ہے۔ "بہت کوشش کی لیکن کوئی سراغ نہیں ملا۔"

شام شمالی سے اندھیری ہو گئی۔ چٹا بڑ میں گئی میں اور ہوا اچھڑا لے لگیں۔ ابھی چاند طلوع نہیں ہوا تھا۔ خدا داد کا خان اور محمد بن چوہ سے پریشانہ تھا رہے تھے۔ کبھی کبھار کوئی آدمی ان کے پاس سے گزرتا ہوا صاحب سلام کہتا تو جوتہ میں ایک زبان ہو کر اس کا جواب دیتے۔ بچے کی گڑگڑاہٹ چیل میں ذوق ہوئی گا کروں کی طرح خوفناک آواز میں نکال دی تھی۔ وہوں باز یافتہ لڑکیاں ابھی سوئی نہیں تھیں ان کی پین پی پی آنکھوں میں ان کی کھلے قسمت گہری کھیند ہو رہی تھی۔ کسی نے آہستہ سے آکر میرا پھولا۔ میں چوہا چٹکی لہوں پر اچھی رکھے خاموش کھڑی تھی۔ مجھ پر ہلک کر بولی "جا میری مدد کر میں بڑی پیتا میں ہوں۔"

میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

اس نے سچیدگی سے کہا۔ "مجھے ایک لڑکی کے خواہ کرنے میں مدد سے کہتے ہو؟"

"وغیرہ؟"

"شٹی۔" اس نے میرے ہونٹوں پر ہانکی رکھ دی اور میز پر میرے کاغذات اٹھا اٹھا کر اٹیچی کیس میں ڈالنے لگی۔ بریک سے کھنکھنی میں اور شیر کا سامان اٹھا کر رکھا۔ کونے سے طیارہ اٹھا کر اور ان کو فون سے کھنکھنی سے نکالیں ادا کر ایک کونے میں جمعیت دیں۔ یہ سب کچھ ہو گیا تو مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "اور کچھ؟"

"اور تو کچھ نہیں۔"

"تو جلدی کر۔ خدا داد سے کہو کہ بریک سمیٹ کر ٹک میں رکھے تو لڑکیوں کو بھانے۔"

میں کچھ نہ بھولا۔ "لیکن تم کیا کر رہی ہو؟"

"ذرا صبر کرو اور صبر کرو۔"

اچھی کیس اٹھا کر وہ باہر نکلی گئی اور اسے محمد دین کے کتھوں میں دے کر بولی۔ "اسے

لے جا کر ٹک میں ڈال دو اور یہ سارے برقی بھی اور ان لڑکیوں کو بھی لے جاؤ۔"

محمد دین مجھ سے مخاطب ہوا۔ "کیوں صاحب؟"

میں صرف اس قدر کہہ دیا۔ "ہاں ہاں۔"

”ہاں میں... تم میری فکر نہ کرو اب یہاں سے چل دو۔ دیکھو چاند نکل آیا ہے۔“  
اور ہم چل پڑے۔

مختہ خاموش تھی، لیکن اس کا سینہ دھڑک رہا تھا۔ یہی نہ موش تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میں نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔ کتنی اداس چمک تھی۔ بالکل غائب کے شعروں جیسی۔ وہ ان پر اپنے زخموں کی انہی خاموش تھیں۔ پتلی پتلی آنکھوں سے وہ سامنے نیم تار یک موڑک کی طرف دیکھ رہی تھیں جس کوڑک چلتا ہوا ہمارا گیارہ تھا۔

خدا داد اور محمد خان خدا معلوم کیا سوچ رہے تھے۔ چمکی چمکی سوگوار چاند لی پھیل رہی تھی۔ پتلی میرے پاس بیٹھی تھی۔ میں نے جانے اس سے کیوں پوچھا۔ ”پاکستان سے تمہارے لیے کیا کچھ ہوا ہے؟“

پھر جانے خود ہی کیوں کہا۔ ”تمہارے مطلب کی چیز وہاں کیا ہوگی؟“

”کیوں نہیں۔“ پتلی کے لیے جس کا دل بیوقوف تھا۔ اس کی آنکھوں میں نہ لب کے اداس شہر تھے۔ ”مجھے پھولوں سے بہت پیار ہے۔ میں ان پر جان دیتی ہوں۔ ہو سکے تو وہاں سے۔“  
خدا داد وہ بانزاق لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے ”ایسے پھول بیچتے رہتا۔ میں تمہیں بہت یاد کیا کروں گا۔ اور... اور... اچھا اب تم کو دیکھو کتنی روشنی پھیل گئی ہے۔“

جہاں پہلی کوئی ہوا نہ تھی وہاں اب نہ رکھا۔ پتلی پچھلاڑی۔ مختہ کی طرف دیکھ کر سسکتی۔ میں نے ہولے سے کہا۔ ”پتلی... وہ تو تمہیں پیچھے بہت تھی۔ میری آنکھیں اچھل لائیں۔ چمکی چمکی سوگوار چاند لی میں اس نے اپنا ہاتھ بڑھا۔ پھر اس کے ہونٹوں میں ہنسنے لگا۔ ”اودھ مار...“  
میرا سر اوجھڑا کھڑا ہو گیا۔ ”اودھ مار... پتلی۔“

وہ مسکرائی۔ ”مجھے نہ لب کا دیوانہ انعام میں ملے لیکن انہوں نے کہ میں غائب ہو تو تمہیں سہی... آج شہر سے اس کا... موت کی راہ نہ دیکھوں کہ نہ آئے نہ رہے۔ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلے نہ بنے...“ جانے کیا مطلب ہے اس کا؟ اور یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ ایک بار بھی اس نے اپنے کندہ دیکھا۔ انجمن نہ نہت ہوا اور مرگ مرگ کے پتھروں پر بیٹھ گئے۔

## مسکن

یہاں پہنچی کر یہ گلہ بڑی ختم ہو چلائی ہے اور اس کے دلوں کناروں پر کچھ کے نورِ درخت اور چول کے خاردار چڑھ گئے۔ اب کمر اور ڈیلی کی چھوٹی چھوٹی جھانڈیاں دھڑک رہی ہیں۔ جھکائے کھڑی ہیں۔ میں اس منہ پر پہنچا گاؤں کے خوروں سے اٹھتے ہوئے دھوکے کے مرغلوں کو دیکھ رہا ہوں جن میں بہت سی جانی بچاؤی صورتیں گھوم رہی ہیں۔ سامنے شمع کے کپے اور کچا کھانے کے کپے درختوں تلے پورے حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔ جس کی آنکھوں میں اب شہر کی پتلی کی چمک نہیں رہی۔ اس کی چھوٹی دھڑکی سے اب بھی وہی دھوکا نکل رہا ہے جو حیات کا سہارا اور زندگی کا سہارا ہے۔ اس کے نیچے ایک پسپا چلا کر ٹھیک کی ایک گاڑی بھر رہی ہے۔ پتہ نہیں آگیا اور پتلی کا یہ کھیل کب سے شروع ہوا اور کب تک جاری رہے گا۔ قمر نے ایک در تاجا تھا کہ نہیں انجمن ہی سے پانی کے کھیل بہت پسند تھے اور تمہیں سڑیلوں کی حاضرت اور ایک راقول کو موسم ہی چلا کر گزراں کے فراک بڑے شوق سے دھونے کرتی تھیں۔ اسی شوق میں ڈاؤن میں چھین ہو گیا تھا۔ بڑا مہنگا قسم کا مونیہ۔ اگر اس وقت چھینیں تو ہر جگہ تیرتی زندگی کی قدر دہائی ہوتی۔ بلے چان لڑیوں کی آرائش کی خاطر اگر ایک دن چلی جاتی تو اس کی کوشا پتہ نہ دیتا۔ انجمن مجھے ضرور دھوکا ہوتا۔ اچھا ہی ہوتا نہ نہت وہ ہیں اور مجھ سے آتیں۔ اس کے بعد لڑیوں سے کہنے کا راز تو شعر ہوا۔ پر شہر پانی میں جھانکنا کہ مرگ نہ تھوے گا عقل پر دی دہار کاش تم یہ کھیل انجمن اور جاری رکھنا۔ اس کے ساتھ چھین سڑیلوں کی بیٹہ اور گھس کے پھولوں سے متاثر رہنا۔ ایک دن دب تم آتی کے کمرے میں گلہ انوں میں پڑے دوئے گھس کے پھولوں کو کتنی ترتیب دے رہی تھیں۔ تو تم نے پتہ نہیں برپہ کر کے کتنی مہربان رہا تھا اور جب میں دلچسپ آ کر کھڑا ہو گیا تو تم نے اپنا سونہرے کپے کھینچ کر





دھواں نکلتا بند ہو گیا ہے۔ اسے کسی کا اٹھا کر نہیں لیکن اس کی نشست اس انداز کی ہے کہ کسی کی راہ دیکھو رہا ہے۔ ایسے ہی ایک رات میں اسی کمرے کے لیے کچھ دم روٹی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ کھانا کھا کر اسے پریشان کیا ہی اس طرح بیٹھا تھا جیسے اب اس چہرے پر بیٹھ ہوں۔ اس وقت میرے سامنے کسی بوٹی کٹائی میں اسی اور اب پر رکھا ہوا ایک ہے۔ تم بھائی جان اور آبی کے ساتھ سرس دیکھتے تھی بوٹی میں جس ۔ مجھے پتا تھا اگر وہ رات کو تمہارا دروازہ کھولنے کوئی نہیں آئے گا اور اگر میں بھی سو جاؤں تو تمہیں کسی قدر تکلیف ہوگی لیکن میں سوئے کیوں؟ مجھے معلوم تھا کہ جب تم میرے کمرے میں گذرو گی تو سب سے پہلے روکی۔ تم نے پورے بھائی جان کی موجودگی میں مجھ سے بات تو نہ کی تھی۔ لیکن جاتے جاتے اچلی بھڑکی اچھی سے میری گرم گرم گردن پر نشان بن جاؤ گی۔ مجھے ایک بھر بری سی آئے گی اور جب تم اپنی ہانگ کو میں اپنے کار کے پیچھے اس پر ہلکی جھلکی سے پھیلنے کے لیے پار باز نہیں مٹھوں گا اور پھر میری بات ہی سے روکے گا۔ ہانگ کر کے میں نہ رہا تھی۔ لیکن اب تو مجھے اس خبر پہلے ہی آئی تھی کہ میں نہیں اب تو مجھے اس پر ہلکا فاش کے ترے کی امید نہیں۔ پھر میں اس چہرے پر اسی انداز میں کیوں بیٹھا ہوں؟ شہر آج ایک اسی طرح جس طرح پچھلے ہفتہ میں رہا ہے۔ کادھوت جو پھر پھر اکیر میرے ہاتھ آ گیا جس کے ایک کونے پر میں نے تمہارے دم کے بندے لکھے تھے۔ تم بھی آج پڑھ لیا نہیں سو سکا۔ تم میری اس عادت پر کس قدر زہم دیتی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد رہے۔ تم نے کہا تھا "آپ دوات پر میرا نام لکھ کر مذاق مڑاتے ہیں کیونکہ آپ سیر نہیں۔ میں میرے کی یاد میں۔ ہندوت کے کسی کپ کے پروردہ ہوں۔ ہمارے درمیان کو اتنا ستنا نہ بیچے" اور میں بھی یہ بات کر دیا۔ لیکن تم نے تو قسمی تھے میری خلقت مٹانے کے لیے کسے تیار۔ کہے کہ تھا "مجھے چاہئے کہ آپ کا تو کھانا اٹھاؤ۔ فکر کبھی آپ کو ایک افسانہ نگار بنادے گا۔ اس وقت آپ کی کسی کتاب پر میرے نام کے بندوں کے بجائے اگر میرا نام لکھا ہوگا تو مجھے کتنی خوشی ہوگی"۔ لیکن میں افسانہ نگار نہ بن سکا۔ تمہارے نام سے کسی کہانی کو نہایت زندگی جاسکی اور اب تو وہ دھوت بھی معدوم ہو چکے ہیں جن پر تمہارے نام کے بندے لکھے تھے۔ اس وقت یہ تم چند بات کے کتب کی پروردہ ہو رہے تھے۔ میں افسانہ نگار کا طالع علم۔ میں تو ایک مسافر ہوں جو تھوڑے دیر کے یہاں آیا ہوں اور اس چہرے پر بیٹھ کر جو عمر بھر کی زندگی گزارنے والے تھے وہاں کی نگاہیں اور وہاں کی باتیں سن رہے ہیں۔ ہر جگہ لوگوں کے درد بھرے گیت سن رہا ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تم نے اسی سارے وعدے کو جو مجھے دیا ہوئے وہ لے لیے

پر گرام جو ہر روز مرتب ہوتے تھے اب کس طرح چورے ہو چکے تھے۔ اگر اسی طرح کرتا تو مجھے پہلے پتا نہ ہوتا۔ میرے پاس تسماری کوئی بھی نشانی نہیں اور میں صرف تمہاری یادوں کے سہارے اپنی اپنی عمر بسر نہیں کر سکتا۔ تمہاری یادوں کو نہ کرنے کے لیے مجھے تو کسی آسے کی ضرورت نہ تھی۔ ڈرگم رہے۔ کبھی تم میرے دماغ سے گزرتی تھیں۔ وہ ہوا کے ذریعہ۔ بہت ہی دل فریب ہے۔ ہر قسم کے کلمے کے بعد جو آج تک نہ مل سکے ہیں میں سراسر میرا قصور ہی تو تھا۔ میں آج تک اپنی زندگی پر رقرارہا کرتے ہیں۔ کوشش رہی۔ اس دوران میں تمہاری یادیں۔ ذہن سے۔ ہزاروں کمرانی تو رہی۔ میرا یہ جیسے۔ دس کا کوئی چھوٹا سی دلچازہ ہے۔ گراماں ہے۔ تمہارا چہرہ۔ تھیں کی دانی میں لہراؤ ضرور تم میری بے پناہ طبع ضروری مصرعہ تھیں اس کے درمیان اندھا شیشہ بن گئیں۔ لیکن نہیں۔ بعض اوقات میرا دل میں بھی چاہا کہ میں اپنے دوستوں کی طرح کسی کے ساتھ بیٹھا جاؤں۔ مجھے دوسروں اور ان سے شکایتیں وصول کر دیں۔ لیکن کی دوا کھلی جو میں نے تم سے بڑی خوشامدوں کے بعد حاصل کی تھی۔ تمہارا وعدہ۔ مونس میں شکایتیں دواتے ہوئے گئی۔ میرا محبوب سیاتہ مشرقی پنجاب میں ہے۔ تمہارے نام کے ہندوؤں والے نوٹ اب بند ہو گئے ہیں اور سب کا وہ حصہ بھی ہمارے ملک میں نہیں رہا۔

جس دن تمہارا کہہ ہمارے قصبہ کو چھوڑ کر چار ہفتہ اس دن مجھے پریشان دیکھ کر تھیں۔ مجھے ساتھ کہ "کوئی بات نہیں ایک ہی زمین پر ہیں۔" لیکن چند سالوں کی بات ہے۔ ایک دن جب میں شہر جانے کی تیاری کر رہا تھا تو تم نے مطلب ہو کر پوچھا تھا۔ "وہ قصبہ میں کاش نہیں کھل سکا کیا؟" "کیوں؟" "میں نے پوچھا تو تم نے جواب دیا کہ ایک ہی جگہ میں خواہ دور دور پر ہیں پتا آسان ہوتا ہے۔" اب جیسی سے پوچھتا ہوں کہ میں کہاں بیٹھا ہوں؟ کیا یہ ایک ہی جگہ نہیں؟ کیا یہ ایک ہی زمین نہیں؟ اب کوہا نا اسان ہے؟ اگر تمہارا وعدہ دور دور رہے لیکن اس دوری کا یہ مطلب تو تھا کہ تم کوئی اور خوش اختیار کریں۔ میں تو ہرگز کسی بھی بھتہ پر ہا کہ اب بھی تمہیں اسی شدت سے یاد ہیں لیکن تم نے شاید ایسے نہیں پایا۔ اگر ایسے بھتہ تو اس طرح دھوکا نہ دیتیں۔

مشرقی پنجاب چھوڑنے کے بعد مجھے مدت تک تمہارے اوصاف پذیر ہونے کا پتہ نہ چلا۔ وہاں ہی میں تجس کر کے معلوم کر سکا۔ ان دنوں اپنی زندگی غیر معمولی طور پر بیکار ہو گئی تھی۔ تمہارا صرف اتنا پتہ تھا کہ تم کو زندہ یاد رکھیں۔ آج۔ وہ۔ اسی ملک میں اسی زمین پر پنجاب کے کسی

گوشہ میں۔ یہ موسم اچانک تہوار سے بھائی اٹھیں پر مل گئے۔ وہ راولپنڈی اپنی نوکری پر واپس چلے گئے۔ انہوں نے مجھے تہوار سے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ چونکہ انہیں چار دنوں سے ذیہ و چھٹی نہ مل سکی تھی اس لیے وہ جلد واپس چلے گئے۔ انہیں کی زبان معلوم ہوا کہ آج رات تہوار سارا کتبہ ان کے پاس راولپنڈی چلا جائے گا کیونکہ ہمیں رخصت کرنے سے بعد تہوار کے اپنا اور اپنی اس گاؤں میں رہنا ہوتا ہے۔ آج میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں جو اب بول کہ آج اور کل میں کتنا فرق ہے۔ کتنا فائدہ ہے۔ کس قدر دور کی۔ آج گاؤں میں سمرت کے کش دیا ہے جو ہے ہیں۔ کل خدا معلوم کیا ہو۔ آج تو اس سے خواہ اس لیے اٹھ رہا ہے کہ زندگی کی حرارت برقرار ہے۔ کل شاید یہی وجہ اس کی حرارت دھندلا کرنے کے لیے بل کھانے گئے۔ آج یہ یوز حواس لیے انتظار کی گھڑیاں گمنام ہے کہ قالمہ انسانی کی مڑیل نہ ہو اور کل آنے والی کل اپنے نہیں کس وقت آئے اور کیسے آئے یہاں پہنچ کر یہ پینڈی کی عمر ہو چکی ہے۔ ہول کے درخت خاموش ہیں۔ ڈیڑھا میں موسم نے موٹے خوب پر دے سوئے ہیں۔ یہ چہرہ دیکھ لیا نہ ہوگا۔ اسے پٹنے والوں نے سہست اور بیت واسپے آنسوؤں سے گونہ چاہا ہوگا۔ اس کی سگ پر اپنی پٹیوں سے جھاڑ دی ہوگی اور یہاں اپنی سانسوں کے چراغ جل گئے ہوں۔ یہاں کیونکہ اب یہ بالکل کھڑک رہا ہے۔ اس کے چلوں میں تیرا پھول سے ملے ہیں اور مسلسل بارش نے اس کی خوبوں کو بھو بھلا دیا ہے۔ میں نے کہا کہ غم روزگار واقعی بہت دفریب ہے۔ میں بھی یہاں چلی اور شاید آخری مرتبہ آیا ہوں۔

مختصر حیات وار در رخصت نہیں دیتی۔ یہ تہوار گاؤں میں ہے۔ تہوار انقب ہے۔ میں تہوار شہر ہے نہیں میں اس کے ایک کونے پر تہوار دے سکے سے بالکل بے خبر نہیں ہوں۔ میرا یہاں کوئی بھی وقفہ نہیں سوائے تہوار سے اور تم انجان بنی فحش ہو۔ صرف یہ شہروں کے ڈرائے مانوس معلوم ہوتے ہیں جو شہر کی پرہیزگار ہیں۔ شاید ان کی آواز تم کی ہی رہی ہو لیکن اب تم کبھی نہیں کر سکتی ہو۔ میں بھی ان کے لول بکھر رہا ہوں۔ پر اب مجبور رہوں۔ پہلے تہوار ہے رتی سے ٹکوتہ۔ اب میں رہا اب ہم دونوں ایک سے ہیں۔ مجھ سے اپنی یاد میں حشر کے دن جا کر نے کی توقع نہ رکھتا۔ میں تہوار سے بعد اپنی زندگی بہالے کے لیے طرح طرح کے کھونے خریدتا پھرتا ہوں اور یہاں بھی اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے چلا آتا تھا۔ شاید اسی کو خوش کرنے کے لیے میں نے تم سے پیار کیا تھا۔ اب اسی کو مسرور کرنے کے لیے تہوار کے بے انتہائی کا نظارہ کرنے آئے ہوں۔ ابھی ابھی اس بوڑھے کی بیوی چیل کی گھاگر پانی سے بھر کر مانی تھی۔ میرے پاس آ کر

ایچا اب چتا ہوں یہ رات بہت لمبی ہے۔ یہ سفر بہت لمبا ہے اور یہ زندگی تو بہت ہی لمبی ہے اور باں میں نہیں کر کے یہ چند پھول تہوار کے لیے لایا تھا۔ سستی سیر کے روز مرہ میں۔ انہیں بھی اسی سبلی زمین پر چھوڑے جاتا ہوں۔ یہ رات بہت تاریک ہے۔ یہ کچل میرے لیے اجنبی ہے۔ آج رات کہہ کے آتا رہا ہوں میں اور مجھے بہت دوری سفر دیکھ رہا ہے۔ اچھا



بہار سے رونے نہ دیتی۔ اُپ چلے اس کے لیے کئے اگلے اگلے کھولنے لاتے تھے۔ چوب چوں کرنے والا سرخ، سٹی بجائے والا انجی اور سلا کر نے والا فونی۔ پھر وہ ذرا بڑا ہوا تو بیل بیل رنگ برنگ تصویروں والی کتابیں لائے لگے۔ اس کے اہل کی آنکھیں چرکتی تھیں وہیں اور آپا پڑ گئی رویتے تھے۔ کتے اگلے تھے چاچا۔ جب کوئی اسے مارتا تو وہ اسے مرغی کی طرح اٹھ کر، گود میں چسپا بنیتے۔ وہاں کہتے تھے اس طرح وہ خالہ کی مہربانی کا ثبوت دے گا۔ وہ ضدی اور عجیب ہوتا تھا۔ اور ہر بات منوانے کے لیے ذہن پر لینے لگتا تھا اور وہ بیل کی طرح نہ کھاتے داسے کی طرف گھورتا رہتا تھا۔ خالہ کو یہ الفاظ یاد آئے تو وہ ہنس کھنکھاتا ہوا، بچپن میں اس کا رو بہ واقعی اس قسم کا تھا۔ مہربان سے ہو کر بھی، مہربان نہیں ہے ایسے ہی رہتا اگر آپا چھوٹی نہ ہوجاتی۔ اس لحاظ سے تو آپا چاچا کو مہربان ہی بہتر تھا۔ یہ سوچ کر وہ داسا کا پانچواں بھائی بن گیا، کھنکھانے لگا۔ سر وہ بیل کی دو رات جب دل الٹا کھڑا کر آئے تھے اور شام ہی سے سوسل و سار دس ہوئے تھے کئی اب خالہ کو یاد آ رہی تھی۔ کتنی دانا میں کھڑی رہی تھی۔ کئی کاٹن فیروز اور چچا تھا اور اب صرف اسی کتوں کی نارنجی روشنی سامنے کی دیوار پر چھوڑ کر طرح جھجکا رہی تھی۔ روشن دانوں کے پیشوں سے جڑے ہوا بھیا تک اندھیرا اندھیرا تھا۔ باقیات باہر زفٹل دی ہوئی ہوا اب چنگھارنے لگی تھی اور دوسرے کونے میں بڑی خوف سے لڑنے جاتی تھی۔ خالہ آپا چچا کے ساتھ بستر میں لیٹا ہوا تھا کہ انہیں اچانک ایک شرارت ہو گئی۔ وہ انہیں بستر کے گیسٹ کے اندر اس سانس راک کر کے لگے۔ "وہ بھی خالہ ہم تو مر گئے۔"

خالہ رونے لگے۔ پر وہ اسی طرح رو کر کئی کئی دنے رہے۔ اس کی سسکیاں آہوں اور پھر چیخوں میں بدل گئیں۔ مگر وہ نہیں مائے۔ جب وہ رانے سے زندہ نہیں ہوئے تو خالہ خاشاں ہو گیا اور خود بھی بیکہ کر کہہ "آپا چچا اب بھی مرتے ہیں۔" آپا چچا نہیں سونڈ کر لیت گیا۔ "میرے نہیں بچا کرتے۔" انہوں نے ایک دم انہیں کھول کر کہا۔ "تو آپا بیل بکتے تھے؟"

"میں تو تمہارا چچا ہوں۔ اور... میں تو... بڑوں کی کٹھن نہیں اتارا کرتے" اچھا! "انہوں نے چکا کر کہا۔ وہ تو چھوٹے سونڈ کی بات تھی آپا چچا اور اسی سونڈ سے "ا" انہیں کوئی روئے والہ نہ تھا۔ خالہ نے کڑھ دلی اور اسے اپنی کی طرف دیکھنے لگا۔ "ابو اپنی!" اس نے بولے کہا۔ "سوئے انہی؟"

ڈرامی وہ اس کے لبوں میں شرارت پیدا ہوئی تھی۔ کئی ہوئی بھڑکی بولب بولگتا ہوا آنکھوں سے اور پھر ہوتا ہے۔ جاتی دلفاس نے اپنے پوتے جیسے مگر بھلا نہ تھی۔ اس نے اپنے انگ انگ کو جھپٹا کر مگر مگر نہ کیے۔ "میرے شہ کا یہ ہے۔ جس میں جیسے جیسے اور اپنے کمرے کو منتقل کر کے چابیوں کی کھینچا لگی پھر تاجا ہوا پرنگل گیا۔"

بیزنس نے مگر بیان سے چین نکالا اور چارٹ بھرے گئی۔ "رات کئی مرتبہ خون قہوکہ؟" "میں کوئی نہیں جانتی وہ۔"

"پر ٹریک؟" اس نے سرسرا کر تکیا کشی کے منہ سے قہر، میٹر کال اور شے کی سرایت سے اس پر چلی گرا کر ایک دفعہ بھڑکے۔ شوق سے ہی سے نہ کھولے لینا تھا۔ مگر باہر سے چھوٹا "ا" اس نے، جھٹ بھڑکے۔ بیزنس نے چرٹ پر کچھ نہ لکھی۔ "میرا اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی کٹی گزری گویا کتا اور باہر اس کے منہ سے ہال کر پھری نیلی کشی میں ڈال دیا۔

"چو مگر ٹریک؟" اس نے ایک دفعہ پھر کہا۔ چارٹ دیا اور لکھا دیا۔

"بیزنس پر مگر ٹریک؟" شوق سے "مگر نہ کر کہا۔" بیزنس تھارے "ایسا خوش فہم بھی شاید ہی کوئی تو۔"

"خوش فہم؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "قررتی کر رہے ہو یہ چارٹ دیکھو۔" اس نے چارٹ اتار کر کہا۔ "یہ لاکھوں سے کہاں پہنچے۔ دیکھو اور دیکھو۔" بیزنس نے چارٹ اس کے چہرے کے قریب لاتے ہوئے کہا مگر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور مسکرانے لگا۔

"تم بہ شری ہو۔" بیزنس نے چارٹ کا کونڈاں کی ڈاک سے چھو کر کہا اور پھر یہ کہ کر وہ بہت جدا اچھا ہو جائے گا آگے چلی گئی۔ یہیں کر شوق مسکرانے لگا اور ٹریک مسکراتا رہا۔

گرمیوں کی شدید گرمی اور چاندنی راتوں میں خالہ کھڑی چری کے فین کو لے سوچ کر ہمارا چاچا کی پرانہ مہرہ لیت کر ہونے لگا کہ "آپا چچا" مگر میں گے تو اچھا ہوگا یا برا۔

چاچا نے اسے اپنے کتوں پر ہنر کر اٹھا دیا کہ خالہ۔ اس کی پیدائش سے لے کر اپنی بیماری کے شروع ہونے تک وہ اس کے سر پر ہوں پہنے رہے گویا یہ لکھی ہنر سے ہی۔ خالہ کو اپنے چچا کا گولی مول اور کتنی سوچیں والا چہرہ یاد آ گیا جس کے دامن کال کی ہڈی پر ایک نشان تھا۔...

گھر سے دھڑکے جاندے نشان، خالہ کا دل دوسرے گویا چھوٹا مگر گرمی کی زیادتی اور کٹھن کی چاندنی کی





اُس نے نکال لیے۔ شاید اسی باپ کے بدلے میں یہاں جڑا ہوں۔ داگو دو کر پا کرے تو اس کی تلاش کر کے میں روپے چھانے دے کر اس کو گھروں لے دوں گا۔  
کامرہ صفر گھڑا کر کے۔

”ہاں اباب!“ مسٹر بھوکا نے کہا۔ ”کوئی لڑکیاں بہت خوبصورت ہیں جنہاں کے جسم اچھے ہیں۔ ہوں۔ ہر دو کو لڑکیاں جنہاں کی ماںیں دروازہ ہوتی ہیں جسم کی نہایت اچھی ہوتی ہیں۔ اور ان کی بھی کوئی اور راز ہوتی ہوگی۔“

”مثلاً؟“ مسٹر بھوکا نے کہا۔ ”اگر وہ کوئی تو کتنا اپنے بیٹے پر لگ کر رہا۔ سامنے دروازے سے اترتا ہے اور دوسرے کمرے میں داخل ہو جاتی۔“ ”بھئی کھا۔“ مسٹر بھوکا نے بھرپور کہا۔ ”اس کے جسم کا کسٹ کتنا اچھا ہے۔ بالکل رانی جیسا۔ میری شعلی سالی کا نام رانی ہے۔ اس کا کسٹ بھی اس سے ملتا ہے۔“ ”کی بیک وہی ہے۔“

”مسٹر بھوکا!“ شونے آگے بڑھ کر کہا۔ ”اس کے کسٹ سے میں کتنا ترس رہا ہوں۔ اور رانی کی بیک سے تمہیں کیا حاصل ہے؟ بتاؤ۔“ ”جسٹ نم مرچاؤ کے تھوڑے تھوڑے کٹے ہوئے کھانے کی۔“ ”فدا!“ کامرہ بڑا ہنسنے لگا۔

”دو گنا کیا نہیں؟“ ”مسٹر بھوکا نے شرمندہ ہو کر کہا۔ ”مجھے دو گنا نہ دی جاتی۔“ ”وہ رات نہ ان پر ایک۔“ ”یہ گھر میں ابھی نہیں مرنا گا۔ یہ گھر میں اور اس سے اگلی گھر میں پھر اس سے اگلی گھر میں اور مرنے اور دفن تک کوئی اپنا نہیں مرنے لگا۔“

”اُنی بی بی کا حلقہ؟“ ”فدا کے پاس بھی نہیں۔“ ”کامرہ بڑا ہنسنے لگا۔ ”اور اونی اور اور فرخوش رہا۔“ ”خوب بہت خوب۔“

”سیدان گلہ فاضل چکا ہے۔ اس نے اپنا منہ پر چھ کر رہا ہے۔ ہم نفس کی طرف نہ کیا جو مر رہا تھا۔ اونی سوئی سے کر کے کو کر کاں نہ ہو۔“

”مجھے تو میرا اپنا دے گا۔“ ”سیدان گلہ نے تنوں پر زبان بھر کر کہا۔ ”تو دھواں نکلے گا۔“ ”اونی سوئی سے کر کے نہیں دے گی۔“ ”اگلا ہر ایک کی نظر پر کر۔“

”مگر بالکل وہی ہے۔“ ”شونے جہاں ہو کر کہا۔ ”مجھے ایسا کوئی نظر نہیں آتا۔ میں نے کسی دھواں نکلے کی لڑکی سے محبت نہیں کی۔ میری آپہ خاتون جسم میں رانی ہے۔ اس سے بہت

کچھ امیدیں مگر نہ اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں اور میں ان گریزوں میں مر جاؤں گا۔ دوسری خال کی گور میں ۱۱ھ چٹا چٹا ہے۔ کہنے ہیں اُسے سے ۱۱ھ سوکھ جاتا ہے۔ اپنے چٹے کوکون بیکوں مارے؟ اور میری ماں؟“ ”اُونے مجھے آج سے بہت پہلے دیکھی ہے۔ جب میں بڑوں کا لڑکی بن کر رہا، مینوٹی مسطورہ کو میری ماں بہت روٹی اور اپنی آنکھیں کٹوا بیٹھی۔ اب اس کے پاس روٹے دیکھ کر بھی نہیں آتا۔“ ”اباب ایک لڑکی ہے۔ میں نے سب نہات کو اس کی پہنائی چوٹی نکلی۔ ہر دو کیوں دے گی۔ وہ بڑے اس کے ساتھ میں جذب ہو کر معدوم ہو چکا۔ میری بڑی بہن کا خاندان لکھنا تھا۔ اور اب انہوں سے عشق کرتا ہے۔ اور مجھے روٹے کی لڑکی کی آنکھیں گئے۔ وہ اپنے خاندان کو یاد کر کے راضی ہے جس کی بہت سی چٹاں اس کے گلے کا پار بنی ہوئی ہیں۔ کوئی کوئی مہندی لگا کر خاتون مر کر آتا۔“ ”شونے کھانا کھا رہا تھا۔“

”کھانا خدائی آنکھوں میں مر رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ دھوا۔“ ”کامرہ بڑا ہنسنے لگا۔ ”کیونکہ میں روٹے دے گا اور وہی مالک دروازہ کا ادب ہے۔ سامنے مانوں گا۔“ ”نم ہر بات میں خدا کو کسرا کھانے کو؟“ ”صوفی ابراہیم نے کہا۔“ ”اس کے لیے

کامرہ بڑے شوق سے بیٹے بے مال ہو گیا۔ پھر اس کے منہ سے خون کے پتے بہنے لگا۔ اور وہ چنی سے چپک چپک۔

”اچھا یہ بتاؤ کامرہ جب مرے گا۔“ ”مسٹر بھوکا نے سوال کیا۔

”بہت جلد۔“ ”سیدان گلہ نے شونے کی پہلو میں جواب دیا۔

”مجھے بگڑا ہوا لگا۔“ ”شونے اس کے چہرے کو بخور دیکھ کر کہا۔

”فدا بالکل دھوا۔“ ”مسٹر بھوکا نے کہا۔ ”مجھے اس قدر مر جائیں گے۔“ ”جہاں یہ ایک

بھیم ہر ایک کی تک بالکل ٹھیک ہے۔“

”اپنا ایک کہیں گے۔“ ”سیدان گلہ نے کہا۔ ”اس کا دل موٹھ مر رہا ہے۔“ ”اچھا بتاؤ خاتون

اس کے رونے کی تعداد بتاؤ۔“ ”پھر اس نے اپنے پہلو میں اپنے ہونے میں کچھ دیکھا۔

”میرا مر گیا۔“

”کیوں؟“

”میں نے تو کہی۔“



"ابھی نہیں۔" کوئی قہری لے آنکھیں کھول کر کہا۔

"معاف کرنا۔" سپورن سکتی نے کہا۔ "میں نے تمہارا دل دکھایا۔"

"کوئی بات نہیں۔" کوئی قہری نے جواب دیا۔ "دل کی خیر ہے۔ میرا پیچھاداشتہ

سے ڈکھ رہا ہے۔" پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"ایک مونا سا آدمی تمہیں ملے آیا ہے۔" پیٹرس نے شکر سے کہا۔

"کیا نام ہے؟" شقت نے پوچھا۔

"مسید خان"

"وہ تو میرا ماسول ہے۔" شقت نے غصہ سے کہا۔

"لیکن وہ تو بہت مونا ہے۔" پیٹرس نے تعجب سے کہا۔

"سچے میں کبھی مونا تھا۔" اس نے بی بی نے مجھے اظہر فرمایا۔

"تمہیں بی بی نہیں۔" پیٹرس نے مزید چاک کر کے کہا۔ "یہ شہید مکروری ہے۔"

مسٹر پھور کا پسینہ لگا۔

"لیکن پیٹرس۔۔۔"

"کیا ماساں ہے شقت ماساں۔" مسید ماسول نے شکر رک کر پوچھا اور مسکرتوں کا لٹاف

جو وہ کوئلہ سٹورج سے لے آیا تھا اس کی پانچویں پر رکھ دیا۔

"اچھا ہے" کوئی خاص تکلیف نہیں۔ امید ہے اس وفد چلا بیٹلی ہو جی جائے گی۔" شقت ہنسا۔

"نا بھئی ایسے نہ کہو شاید۔۔۔"

"شاید لی لی کی ڈاکٹری میں نہیں ہوتا۔" کامریٹ نے وثوق سے کہا۔

"کچھ چیزیں کی ضرورت ہوتی ہے۔" مسید ماسول نے مزاج سے کہا۔

"مب تو میرے پاس ہیں پھر شاید قسم ہو ج میں۔۔۔۔۔ میں آکل انجن خریدنے آیا تھا۔" ککڑی کا

وہ پکارا اب تقریباً بندھی بھجھو۔ جنگ رگ تھی۔ ٹھیکیداری ختم ہو گئی۔ ملتان میں ہرف کا کاروبار

اگانے کا ارادہ ہے۔ ہر روز ہزار ہزار ہرف ہٹنے لگی۔ دوسرے کارخانوں میں تو بھی چہرے یا تو کس غنی

ہے۔ غفور بھائی کو فیکٹر عطا ہے۔ دیکھیں کیا کرتے ہیں۔ جاتی کو پانکس کا اپورٹ کر دیا ہے۔

امریکن کینی نے دوسری اسٹی فرم سے متعلق ہاں ہمارا انتخاب کیا ہے۔ لاڈل چونک کر غصہ کر

جاری حمایت کی ہے۔ راولپنڈی میں اس تمام ڈاکٹر اور خریدی ہے۔ کوئٹہ میں ہاں کے مراد ہے۔

ایک باغیچہ میں خریدی ہے۔ ہر فائدہ کر کے سربلونی مجھ سے نہیں ہوتی تھی۔ مقبول کولادہ

سے لکھیا۔ چچا لاریوں کا پرست لے دیا ہے۔ اپنا جاننے میں ہزار کے دف بکھلی کے حصے

خریدے دیے ہیں۔ میں تو اس کے کتنے میں تھا۔ تھوڑی سی رقم نے کہا تھا ہسپتال ہو کر آنا۔ نہیں تو بی بی

اور اس کا بوجھ نہیں گئی۔ سو بی بی اگر کبھی میں آئیں تو میرے متعلق ضرور بتا دے گا۔ تم تو بہت ہی لاعلم

گئے ہو۔ اچھا شہاب چلا ہوں۔ اپنا جاننے کا ٹھکانہ یاد کر رہے ہیں۔

دب دو رہے تھے تو کامریٹ نے پوچھا۔ "قہری دن ان سے دوپے لے لیے ہو۔"

دیکھ نہیں پڑو، مانی کی آنکھوں میں کس طرح چمک رہی تھی۔

"موقوف فرمائیے گا یہ میرے ماسول تھے۔"

"اور تمہیں روک نہیں گئے؟"

"روک نہیں نہ سکتی یہ بیمار کے خاندان میں سب سے زیادہ سہرا ہیں۔"

"اور ت کبھی خدا بخت آؤ تو ان کو دیتا ہے۔" سوئی ابراہیم نے کہا۔ "دیکھا نہیں کیا

جسم ہی کیا شایان تھی۔ کسی شہداء از گئی، پوچھو۔"

"ہر روز راولی ایسا ہی ہوتا ہے۔" کامریٹ نے کہا۔

"یہ پور ڈرائی کیا ہوتا ہے؟" صوفی نے پوچھا۔

"کچھ بولا ہوگا بھائی، ہمیں اس سے کیا۔" سپورن نے جواب دیا اور کات میں انگلی

پھیرنے کا۔

"پائے کیا جواں تھا۔" کوئی ماساں نے دفتر چھوٹ کر کہا۔ "میں نے شقت کو ان

بازوؤں میں سمجھنا سمجھ کر دیا ہے۔" اس کی بیوی جو بچہ چھ میں تک کی ڈٹی پھیر رہی تھی رک کر

برئی۔ "یاد ہے وہ دن جب شہنشاہ چڑیا کا بچہ کے گھر جا رہا تھا۔ آٹھ اور بچے کے دور ہاندھ کر اڑنا

چاہتا تھا تو میں نے منع کر دیا کہ اس کی ماں ڈاکٹر کی ہوئی، ماساں کی تلاش میں خدا نے کہاں کہاں

ماری پھرتی۔" کی اسے پھول دوڑا وہ اس کی دھم چھ چھ کرانی جان دے گئی۔ "نوربانو

نے اچھا چاک کٹو راز میں ہی نہ کہو دیار اور پروکھتے گی۔" صحت پر چڑھا کہ اس نے چڑیا کا بچہ منڈیر پر

بٹھا دیا۔ "وہ بی۔" "نیکو نیکو منہ سے منہ ہاں سرٹ و فیکٹر بھائی ہاں۔" ایسے لگتا تھا

جیسے رہے کے ہاں میں بن چکی ہو۔"

"ہوں... میں اسے تم سے بہت زیادہ جانتا ہوں" بولی میاں نے کہا۔ "اس کے ساتھ ہی بیرونی داستان گوئی ختم ہوگئی۔ کھٹ پہلی اور سو راگر بچی کی کہانی اللہ جانے اس سے کتنے مرتبہ تین تین بھر بھی سیر ہوئی۔ لی۔ اس کا استخوان دے کر آیا تو اس سونڈھے پر بیٹھ گیا۔ میں نے کرسی نکالی۔ اپنے صادق سے چھڑا کر دی مگر شکم مازہ میری روٹی تو ڈر کر کہانی شروع کر دی۔" خس کر ہوا۔ "بولی میاں! آج تمہیں کھانا کمارے آیا ہوں۔ تم اس کرسی پر بیٹھ کر کھاتے ہو یعنی کی کہانی سناؤ اور میں اس روٹی کی خیر دیتا ہوں۔" میں چٹکی مار کر روٹی چھڑا کر کھانا ہو گیا۔ "اچھا اب میں تمہارے یہاں بیٹھوں آؤں گا۔" مرتبہ کیا نہ کرتا۔ شروع کر دیا کہ "سو راگر بچہ کھٹ برسی کو لے کر چل دیا چالیس میل۔ منزل در منزل۔ کوچہ کوچہ۔ آگاز رو یک کوچہ دور۔ ایک جنگل میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک عورت کی چندے گلاب چندے سے مانتا ہاں ہاں ہاں پڑی ہوئی ہے وہ سول سنگہ رکھے کچلی ہے۔" پھر بیس پڑا اور روٹی کھانی شروع کر دی۔ کہانی ختم ہوئی اور اس نے غافلے میں ہاتھ زل کر کالی سیاہ خشکی لگی کال میری گود میں ڈال دی۔ بدست نامور ہانوی لگی تھی اور میری لے گیا تھا۔" مجھ سے بار بار پوچھتا رہا "پہنڈے بولی میاں چندے لگی۔" پہنڈا... پہنڈی بھی ایک ہی۔" بولی میاں کے گوشہ چشم سے وہ سونے آسہ ہاں چمکتے گئے جو بعد ازاں پھسل کر اس کی چندری ڈال دی میں جذب ہو گئے۔ نور ہانوی کہہ۔ "یہ میرا بہت محبت کھٹ کرتی ہیں۔ اللہ ان کا خیر افریقہ کرے۔"

"اللہ مرغوبوں کا خیر افریقہ میں کرتا۔" بولی نے بے خوف کر کہا۔ "دو تو... دو تو..."

مب میں کیا کہوں ماٹھا گود۔  
نور ہانوی نہ دوسے کمر میںوں کے پیچھے ہلے تو دو سیکھتی چڑ پڑاتی بربرج گئیں۔

"قہری دن ایک خوشخبری سنو گے؟" مسرہ جو مکے شنی کی کھٹی آکھیں دیکھ کر کہا۔

"ڈاکٹر شاد آئے تھے ابھی گئے ہیں۔ آج کھٹ کھٹ بھگے دیکھتے رہے۔ کہتے تھے تمہارا ایک بچہ تو بالکل ادا ہے۔ ذرا سا بھی کچھ نہیں ہوا۔" وہ بھی... ہاں وہ تمہارے متعلق بہت فکر کرتے تھے۔ بیڑی کو بتا رہے تھے کہ رڈن وان ایک دوسرے کمر قہر اڈ نہیں یاد۔ ڈاکٹر لوگوں کے اندازے غلطی ہوتے ہیں۔"

"اس میں گہرا سنے کی کوئی بات ہے۔" شاد مسرہ لے گا۔" مجھے یہ فیصلہ منظور ہے۔

ایک ہفتہ تو بہت زیادہ ہوتا ہے۔ بہت زیادہ۔ یعنی جلدی چمکا رہا جائے اتنا ہی اچھا۔  
"خوب۔" مسرہ جو مکے کہہ۔ "خدا اس میں تمہارے ایسے دوسرے بہت کم ہوتے ہیں۔"  
"اچھا۔" کہہ کر شاد شامش ہو گیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ منہ زل کے چندے سے چندے سے پوروں میں سے اس نے بڑک پر گذرنے والے آٹا ڈنگ ناگوں کو دیکھا جو بڑی تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ پھر اس کی ٹانگیں ہم سے اڑھتوں کے گپے کھیلنے والے لڑکوں پر جم گئیں جو ایک دوسرے کو سالانا لہا لہا کہہ کر بہن کی گالوں پر دے رہے تھے۔  
"شیخو کر دے؟" بیڑی اندر داخل ہوئی۔

"ہوں ہوں۔"

"کیوں؟"

"ولی نہیں جانتا... بیڑی جی توئی شیخو چلے کی ہیبت کم کر دیتی ہے۔"

"پھر ایسی بات... لیکن تمہارے چہرے پر ہیبت ہے کیا؟"

"دیکھو بیڑی کھر قہر ہے بہت ہولا۔"

"یہ جھوٹ ہے... کیسی سے پوچھو۔ یہ جھوٹ نہیں تمہارا چہرہ بہت اچھا ہے۔ بہت خوبصورت۔ کھسی سے پوچھو... ذرا کمزور دی ہے۔ دو کھی دور ہو جائے گی۔"

"بیڑی! شوقے محبت بھرے لہجہ میں کہا۔ "کبھی سورن مغرب سے برآمد ہوا ہے؟"

کبھی جوا کھسی کے ہونٹوں سے شوقے چھوٹے ہیں... تمہیں آ تو پھر لی کی کامر میں کیسے لگی

سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں۔ میں تمہیں دیکھا ڈیکھ لا کے دیکھاتی ہوں... اور پھر تمہیں لی

ہے کہاں۔"

"چھوڑی بات... اچھا ہاں میں مردوں کا گھب۔"

"خش! بیڑی نے لیوں پر انگی دکھ کے کہا۔ "اپنے نہیں کہا کرتے۔"

"کیوں؟"

"بیس پڑی۔"

"یہ تمہا کیوں آفریولی بات بھی تو ہو۔"

"بولی ہے ایک بات... سفر خفا ہوئی ہے۔"

”... سترے کسمی...“ وہ تھکا ہوا لہجے میں کہتا تھا: ”اے کوہ اور زہرہ، وہاں سے کہاں جا...“

”اچھا اگر میں برا نہ ہوں؟“ میٹریس نے کیا بھری نظروں سے دیکھا۔ شونے اپنا لہجہ اٹھا کر میٹریس کے ہاتھ چومکھوایا اور بولا: ”میں...“

میٹریس نے اس کا ہاتھ تھپکھپکایا: ”تم بڑا سنا ہونے والے ہو جانتے ہو چاہتے ہو؟“

”جی ہاں...“ شونے نے بولے سے کہا: ”وہ میٹریس کو دیکھنے لگا۔ اس کے سرخ اور پیلے ہونٹ صحت مند اور چمکدار جسم خونی صحت سے نمایاں: ”واہ واہ اور جراتی بھری دیکھیں جن میں صوفی کوٹ کر بھرے تھے آج اسے بہت بری لگیں۔ پہلی مرتبہ اسے اپنی کردی کا احساس ہوا۔ میٹریس کا وجود اسے ایک گالی کی طرح دکھائی دینے لگا جو دنیا کے سب سے بڑے گدیوں کو دی ہو۔ شہامت ہی جیسا کہ ایک اور دھڑلے آواز: ”میں ایک گالی ہے گالی میٹریس کا بیڑا فرسا چھڑا وضعت بھری آکھیں۔ میٹریس کے سر میں چرب دوس میں کاروائی تھک رہی تھی: انعام اور غضب سے گھوٹنے لگیں۔ نیچے نیچے میٹریس کی آنکھوں میں پانی بھرا رہا۔ شونے نے ہلکا۔“

”میٹریس! میٹریس!... دو گواں آنسوؤں کو...“ دیکھو دیکھو ڈرے ڈرے ہیں۔ جس ان کے دلوں کی تاب نہیں دکھتا۔ یہ مجھے شرم دینا، ایک طرح ہالے جا رہے گئے۔ بڑا بڑا بیٹا: ”جو چھوٹی بھڑ...“ میٹریس اٹھ کر چلی گئی اور پتہ نہیں وہ ہلکی پھڑکیں جا کر برسی۔

”میرا دل خواب بھی بنی چاہتا ہے۔“ چچی نے جھکنا جھننے ہوئے کہا۔

”کہو...“ چچی بولے۔

”بیک کی کتھری سٹائی اب بھی ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

”واہ پگھل ہوئی ہے۔ وہ دیکھو پتہ نہیں لگے دن کا اہمنا ہے اور جی ہے ہوا ریا ہے۔“

”اوی نہ بیک دن کے لیے کبھی بہنا سے نہیں آ سکتا۔“

”اوی: ہاں۔“

”وہ اس کے جسم کی ذہن بھائی لے جا نہیں رہے؟“

”اوہ کیا خبر؟“

”میں ہی قسمت میں کہاں۔ کتھری کا مفرد چھاپا ہوا: ”جیسا بات کھلی لیے تھوڑے دوس کے

کتھری کو ان میں سے ہے۔“

”خدا کرے۔ تارا شونے کو کون دس کی عمر پاسے۔۔۔ بہ لکھن اس کے چچا کو نہیں سن سکتی؟“

”نہیں۔ بھائی بونہ۔“

”کسی طرح بھی نہیں۔“

”نہیں۔“

”سرخ ہو جا رہا ہے کبھی نہیں؟“

”ایک دفعہ جڑ کھدائی نہیں۔“ چچا بھٹا کر بولے۔

”یاد آ رہی ہے سونے کی خبر۔ اللہ آئی کر کے انا جو دیکھا ہے۔ جیسا وہ تو ہی دانا کرے۔“

”سوئے کے سہرے لگیں۔“ وہ بھر بھر بھٹکے تھیں: ”چچا! آج آجے رکھ کر دانوں میں کچا پھیرے گئے۔“

”وہ کب... وہ کب...“ چچا پچا: ”میٹریس نے شمس کر لے چھا۔“

”وہ تھوڑے دن مارا ہے... سوئے ہوئی کا معاملہ ہے۔“ شونے نے اپنا ہاتھ اس کی گتلی پر رکھ کر کہہ دیا: ”وہ خوب لگی۔“

”کیوں؟“ شونے نے پھر ہو کر پچھا: ”کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں...“ شونے ہو گیا۔

”کیسے؟“

”ایسے ہی۔“

”ایسے ہی؟“

”واہ کتھری نے خون کا انا...“

”کیوں؟“

”نہیں۔“

”میرا...“

”پتہ نہیں۔“





"میں سب کہتا ہوں ابھی ملے یا نہ... یہ سچی بات ہے۔"

"مست بچہ مہاراجہ" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جس کے لئے سڑکی پر رکھ دیا۔  
آگے چلا گیا۔

جب فوجی قہری نے آگے بڑھ کر تھوڑے فاصلے پر پہنچا۔ واقعی سچ اس سے نہ دیکھ سکا۔  
شکری سے آگے بڑھے اور وہاں پہنچا وہ گیا۔

آخر بیڑس کو کیا حق ہے کہ سرنگا وچید چرے لیے ہمارے درمیان گھومتی پھرے۔  
فدائے کیوں اسے صحت مند بنا اور میں بیمار رہا وہی جوانی صحت اور جوانی کی تلاش کر کے  
ہمارا مذاق اڑاتی ہے۔ اس کے کھنکھارے اور ہنسنے کی آوازوں کے خلاف تسخیر ہے۔  
آخر کیوں اسے اتنا خون سونایا ہے کیوں اس کی زندگی بھائی گئی ہے؟ کیوں؟ کیوں؟ آخر  
کیوں؟ رات بھر شوق کا میرا اعتراف ہے باتیں کرتا بار بار وہ ایک عجیب ذرا بے لگاؤ سے اونگی  
باتیں سوچ رہا تھا۔

بیڑس آئی ڈاس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"کیسے ہو؟" بیڑس نے پوچھا۔

"اچھا ہوں۔"

"آنکھیں کیوں نہیں کھولتے؟"

"ایسے ہی اچھے لکھ رہا ہے۔"

"میں سامنے کی طرف دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں۔"

"دیکھیں۔"

"جیسے کیا... اپنا کام کرو اور چلو۔"

بیڑس جہاز اڑ گئی۔ اسے جتنی بولی۔ پھر پھر کے اور اس کے جوڑوں پر پھوڑ  
چھڑک کر آگے چلی گئی۔ اسے ڈر لگا۔ ہاتھ کہ شوق صحت یاب نہ ہو سکے گا۔ اس کا دل سارے اس  
اور جوڑوں پر پھوڑا کہ خوفناک احساسات پر دلالت کرتے تھے کہ چراغ سبھی ہے۔ جب وہ  
پھر پھر کر رہی تو اس نے شوق کے لہروں اور غصوں پر ستر کی خراشیں دیکھیں۔ وہ ابھی اتنی  
گہری نہ ہوئی تھیں۔ معمولی فاصلوں کے باوجود جانے کا اندیشہ تھا۔ بیڑس نے رات کے سونے

سوتے پڑنے کے لیے دھڑکتے ہوئے اور غراٹوں پر ابھی طرح سے جا پاتا۔  
"بیڑس! شوق نے پکارا۔" "اور ادھر؟" "نہیں۔"

بیڑس نے گلی کو اس نے اپنا ہاتھ چھو کر کہا۔ "دیکھنا یہاں رو رہا ہے۔ میں نے  
ابھی ہاتھ لگا لیا تھا۔" کے پورے چھوڑ کے طرح دیکھا ہے۔ "جب وہ جب کراے دیکھنے لگی تو شوق  
نے اپنا فٹن ہراساں اس کے چہرے پر چھوڑ دیا۔" "کچھ پتہ نہیں چلتا۔" بیڑس نے دھڑا دھڑ  
سے دبا کر دیکھا۔

"پھر دیکھو۔" شوق نے کہا اور دھڑکتی اس دھڑکتی اس نے اپنا ہاتھ ہراساں اس  
کے شہلی رخ پر گھڑی کی طرح پھیلا دیا۔ اس نے محسوس نہ کیا۔ شوق کی سازش مستور رہی۔  
وہ گلی کی طرف شوق سوچنے کا کراساں دیکھ کے محسوس نہ کر سکا۔

دوسرے دن اس کی حالت دگر ہو گئی۔ دن میں کئی بار خون چھوڑا۔ پھر وہی تھوڑی دیر بعد  
کراہتا۔ گالوں کی ہڈیاں اور ہنسنے۔ آنکھوں کے خلیے سیاہ ہو کر اسے کوئی نہیں مانتے۔ کچن کی  
لوہیوں کیل کے سرچھے کے خلیوں کی طرف منسوب گئیں۔ اگلے اگلے ڈاکٹر اور دوا کے چھوڑے چکا۔  
کریا دہانت کا گلہ بن گئی۔ آنکھوں میں غلیظہ و کثرت سے پھرنے اور ہراساں سے بڑھ گئی۔  
اس کے روئے ڈھابا گھر سے ہو گئے تھے اور سامنے کی رگڑ سے ہونے لگے تھے جیسے کسی نے شیشی گھر  
تک اس پر چھڑک دیا ہو۔ گالوں کی ہڈیوں کی چھلکی میں لپٹی ہوئی صاف دکھائی دینا تھیں اور ان  
کے جوڑوں سے بندہ چلی دوڑاؤں کی طرف آوازیں کھاتے محسوس ہوتے تھے۔

جب بیڑس ڈاکٹر شوق کو ساتھ لے کر آئی تو بیڑس نے کہا "جیبت ہے یہ ابھی تک زندہ  
ہے۔" "بیڑس! کچھ بہت سخی۔" ناموش ڈاکٹر کو کھینچتی رہی۔

"خون کا کیا؟" "جکشن اور ڈاکٹر؟"

"مگر وہ؟" "بیڑس نے بازو سے پڑھا کر کہا۔"

ڈاکٹر صاحب نے خون ٹیوب میں پھینک کر سرنگ بھری اور شوق کے بازو میں گھونپ دی۔  
جب یہ دیکھ لگا۔ "چاک تو ڈاکٹر نے کہا۔" اس کا خیال دیکھو اور ایک گھنٹہ بعد اسے اطلاع دو۔"

جب شوق نے آنکھیں کھولیں تو بیڑس کے بازو سے خون رستا دیکھ کر اپنے بازو کو دیکھنے  
لگا۔ اس پر ہرمت سے روتی کی پیمپلی سی پھر پھر پڑی تھی۔

"آخر تم ہر مریض کو اس طرح دیکھ لیا کرو گے؟" شوق نے غصے سے کہا۔

نیکون میز پر چپ رہی۔ جیسے سڑکی نہیں۔ پھر دہا ہر کہنے لگی اور اس انداز میں چلتی رہی کہ وہ اب کبھی نہیں بولے گی بلکہ وہ سڑک سے گئی۔  
شکوہ کو بکا دیا کھنگلی جاتی بہت پرانی تھی۔

"اگر راجہ پن، رہا۔ شوق نے ہاتھ بڑھا کر کہہ۔ بیٹریں لے کر میاں سے پنی نکالا اور اسے دیا لیکن خود ہی طرح بھیجی دی۔ شہ کو معلوم تھا کہ بیٹریں جب چاروت بھرے آتی ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک نیلی پیشی سولی ہے تو وہیں ہمیشہ سے نہ کھولتی ہے۔ مخراسات میں اس طرح صحت مند کرنے کا کہا جاتا ہے۔ شوق نے سوچا اگر یہ کاروبار میں اپنے مندر میں زوال کروانے سے فتنہ اور بہ دوکا پہنچے ہوئے ہوں تو ان سے عین بیٹریں کو تدار با بقاد تو جس کی اگلیاں اور ٹپلیں پر نہیں اور یہی تپائی کے لیے بنی ہوئی لاکسول کی کرے میں سرچرا۔ بیٹریں نے اسے اعتقاد نہیں دلایا ہی رہتے ہیں اور بار بار کھلتی رہی۔ خون کے قطرے اب بھی اس کے بازو سے چیر ہوئی کی طرح چنے دے تھے۔

ایک شدید تصعب کا تجربہ جو اشتقاق کو نذر ورتے پر بخود سرور ہوا تھا۔ ایک مکمل سازش تھی جو اسے مرے نہ دیتی تھی۔ وہ اپنے منصوبہ کو گرو چھینے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کی ساری کاوشیں اس کے سامنے ناکام ہو کر نہیں اوردہ رہتا تھے۔" مجھے ہوسکتا تھا۔

دودن بڑی پہنچتی ہے محمدؐ۔ نون سے بھری دالیں اس کی باجھوں سے بہہ کر دھوئیں میں جھیل جاتی اور پھر وہاں سے گردن میں پہنچی کمر پہنچتا ہے جذبہ ہو جاتی۔ ان تکفیس لہریں بہہ ہوئی تھیں۔ کھیلنے کا نام نہ لیتی تھی۔ سر پر ہمدرد سے چھوڑ دے۔ حرکتیں بل بوتہ سے نہ کرنے لگا کر کمر خود دہرا کر رہ گئے تھے۔ کہہ گا کہ انسانی عہدہ دو چار تھا اور خود کو نوک دار ہو گئی تھی۔ چہرہ جاتی بہہ کر کے سرواں پر ہاتھ پاؤں پہنے کی لاش کی طرف مڑ چھوٹے ہوئے تھے۔ ان پر جسداں پہنچی۔ سے بنی ہوئی تھی کہ اس میں منہ دیکھ کر دینا تھا۔ رانی ڈیڑھوں سے ٹکے رنگ کا مادہ بہتے بہتے رکے گیا تھا اور لہو کی جڑ پاؤں دھوئیں چہنچس سے کھڑکڑا رہی تھیں۔

نہیں شرمگواں کی حالت اہل غیر ہو گیا۔ بچپن سے تیز چڑتے ہوئے چہنچہنے  
 بچپن کی طرح آواز دینے لگے۔ سرائی کی دلی شہنشاہی اپنے دماغ ہونے جیسے ہماری بے ادبی  
 زنجیر و کوہ قہر پر ٹھہرا جا رہا ہو۔ سوئے محسوس کیا جیسے اس کے اندام کے ہر جمل کے ہنسنے  
 میں اچانک آگ لگ گئی ہو۔ جڑوں میں سے کٹا راستہ نکلا۔ کڑا سیلاب دیوارِ دھواں۔ آگ کی  
 حدت اور تیزی میں روشنی کی پتھر چلی ہوئی چوہیں بھی اس کے سہو و چرچہ پر نہ لگنا جاتیں۔ ابھی





اٹھانی فردوس سے باؤں کی اڑنی جسم کے پر پود سے چھبے کو پھیل جاتی اور جب وہ اس قدم کو اٹھاتی تو وہی چوٹی اڑنی ایک جھنگل سے اُگے بڑھتی۔ اس سے کہیں اس کے جسم کا بخربلی اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ جسنے کباب پختہ نہیں کس دفتر میں ملازم تھا مگر اس کی ماں ول کے عارضہ کی پرانی بے رحمی اور واک ایسی حاکم تھی جو ہر گھر پر کام کی قائل پر "فوری" کی چٹ لگا دیا کرتی تھی۔

چہرہ یاد مند ہے جسے کبھی چھو بھی صرف بات کہی کرنے یہاں آئی تھیں اور بہت دنوں سے یہیں وہ رہتی تھیں۔ ایک دن وہ پہر کو توہوں نے چھانگہر کے مغربے کی سیر کا پروگرام مرتب کیا جو میں نے دے چکے تھے پر پھر اپنا پاؤں اٹھا لیا۔

جسٹس سے میری ملاقات اس یونیورسٹی میں ہوئی۔ میں اپنے کو کھٹے پرانے کا اعلان قلم کے اشعار سے کیا کرتا تھا وہ اپنی صحت پر کر دے، پکڑی "سارے کپڑے اتار ڈالو انہی؟" اور دلی ملاقات ہو جاتی، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ گفتگو بڑا دلداران کا کوئی دو ماں سوکھ کر ہوا سے اُڑتا ہوا دانے کو کھٹے پر آ جاتا اور میں اس کی آمد کی خبر پا کر دو دن کی گنتیاں دے کو کھٹے سے ان کے یہاں چھینکا اور کہتا "آپ کا رومال ہے۔ فلا کر ہمارے یہاں بچھی گیا تھا"۔ لیکن اس کے جواب میں صرف "شکر ہے" کا ایک لفظ وصول ہوتا۔ میرے ساتھ کو در بند کام کی شکایت تھی۔ وہ میرے اس طرح دو مال لواتا دیتے پر بہت نہیں دیتے ہوتا اور اکثر ایک ہی قصہ سنا کرتا کہ کس طرح اس نے ایک لڑکی کو اغوا کرنے کا منصوبہ باندھا۔ اسے اس ادارے سے باخبر کر کے اس کی اجازت حاصل کی تو دیکھو جب دفتر مفرود آ پہنچا اور اس لڑکی نے ڈیوٹی کا دورا وہ دست بھر کھٹا دکھا تو وہ دھپے دھپے پاؤں ان کے گھر میں داخل ہوا اور ڈوٹو لٹے تو نے ان کی ایک اسل مرئی اغوا کر کے لے گیا تھے اس نے لوگ اور جاہل کا جینا کو دے کر جی شام روشت نہایت اذاتی لیکن میں تو ہمیشہ ریل واپس کر دیا کرتا تھا کیونکہ وہ مال تو نہ لگتا تھا اور نہ اس کے اور نہ کبھی ڈکام ہوا ہے۔

جس جگہ وہ انہیں جگہ گھر کے مغربے کی سیر کو جاتا تھا اس دلچسپی میں ان کے یہاں کیونہ چلنے لگے۔ ان کے انوں میں سب سے بڑھ چھوٹے جسنے نے حصار کی چونک گھبراہٹ یا دوڑنے سے گھرا ہوا تھا مجھے معلوم ہو گیا کہ کوئی ناڈی یا دوڑتی پائی گھرنی کی دو کو تپ چاہتا ہے اور اس گھر میں جسٹس کے محلہ اور کوٹا ڈی ہو سکتا تھا۔

میں نے اپنی سائیکل پر آدھے میں نکالی۔ اسے پرانی تیراب سے صاف کیا اور اس کی

## تو تا کہانی

ایک دن کافی کی سست سے آنے والے باؤل نہ جانے ادھر کیسے چلے آئے کہ مارا شہر احمد آباد سے کی لپٹ میں آ گیا اور دوسرا دھار پاؤں ہوئے لگی۔ ہم چاروں دوست آؤٹل کے ایک کمرے میں سنوڈ ریسٹ کے اوپر گرجی سے اٹھنی ہوئی بھاگ میں اپنے سنگریں کا ویز دھواں ملا کر غلاؤ کر رہے تھے۔ غنٹ سروی میں انکی مشہور بادشاہ کوڑی کے ٹیٹوں پر پڑ نہیں کون ہی گنت سجاد اٹھی اور دو پچوں کے پھنچنا نے ہوئے پختہ معلوم نہیں کیا حال دے دے تھے۔ ہمیں نو وٹا پار ہے کہ رکھا کی میز پر انکی ضدی دانی بار بار سے دست پر کنگا حاصل کرنے کے لیے کسی چور دروازے سے باہر نکل جاتی تھی اور وہیں میں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے ہم کسی بے چارے کی کشتی میں کس کا رڈوں والی ٹیم پر فٹلی جھلیں تیزی سے طرہ رہے ہوں۔

جس ہوٹل کا پرنسپل نہت ہمارے کمرے کے دو دروازے سے کان کھڑا ہو گیا تو حامد نے کہا "میں نے میرا جوتا تھوٹنے کے لیے کھٹے یہاں جانے کی دعوت دی ہے وہ اپنی جوہت کا پاگل اٹھا دیتا ہے جو میں ایک غفٹ جاب لڑکی کی خاطر کر سکا۔ بنا جو تم میں اسے سمجھنے کی صلاحیت ہو لیکن اس کی برزی کے پم بھینکا قائل ہو جاؤ گے۔" ہر ان دونوں کی بات سے جب شہزاد اور اکیلا دوسرا ایک باورچی کے ساتھ کھڑے گھر کا ایک ایسے مکان میں رہتے تھے جس کے پرچوں میں ایک کتبہ آویزاں تھا۔ ہم میں سے باورچی کے ساتھ کسی نے بھی اپنا اٹھا کر اپنا کے اس باورچی کے کوشش نہیں کی۔ اس پر بھی دو لوگ "میں شریف نہ سمجھنے والے اسلام بینک کا جواب دیتی تھی سے دبا کرتے تھے۔ جسٹس بڑی بڑی آنکھوں والی سالو ڈنگ کی ایک اس لڑکی تھی جس کے سڈل کی چوٹی اڑیاں باہر سے کافی تھکی ہوئی تھیں اور جب وہ چلے ہوئے ایک قدم

ایک ایک کل اور پڑے کو "ایٹھ ان چیرس ہینڈ آ کل" سے ادا لاد کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ مقبرہ شہر سے کافی دور ہے اور وہاں تک پہنچنے کے لیے اچھی خاصی سائیکلس جواب دے جانی چاہی۔

جب بارہ بجی نے سائیکل لے کر باہر نکل کر قریب قریب نے جالی کی گرہ پر برش کرتے ہوئے کہا "ہیرا انکھ نہ رنر۔" میں آج تک نہیں کھاؤں گا۔ اس نے ایک لمحہ کے لیے مجھے خیر نظر دیا اور دیکھا اور پھر ڈیڑھ گھنٹہ بعد پورے جالی خانے میں چلا گیا جہاں اس نے میرے حصے کا آٹا گوندہ کھا کر چٹکری سے دو صاحب لکھا تھا۔

چند نیاں کھجی دیر تک میں مقبرے کی چار دیواری میں کھانسی کے چلاٹ پڑا لیکن کا انتظار کرتے رہا۔ بعد کا دن ہونے کی وجہ سے کوئی شخص بھی ادھر سیر نہ کیا اور میں چار دیواری کی عزاداری کو باریاں کر چہ و سہ ضرب آواز میں پختہ کرنا رہا۔ ایک بجے کے قریب صدر دروازے کے سامنے ایک آٹا لگا اور اس میں سے تین برتھ پش عورتیں آئیں جن میں سے ایک کا برتھ سیاہ تھا اور اس کے سینہ کی اڑیل بھی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور خراماں خراماں مقبرے کی طرف دوکل دیا۔ مردھے ہوئے مجھے اپنے قریب سے گزرتے ہوا دیکھ رہے تھے۔ ہاٹ سنسان تھا۔ دو عورتیں درختوں کے سگے ہوئے جڑوں سے آئی ہوئی تھیں اور نوارے کا پانی لے کر پینے والی تھیں گھاس پھوس، مٹی اور ٹٹک ویز ٹیٹیوں کو اپنے کندوں میں دبائے آرام سے لیٹی تھیں اور مجھے اپنے لگے جہانگیر کی قبر کے ارد گرد بڑھتی اور بہت سی قبریں ہوں۔ کبھی تو بھی آؤ بی گول اور میری۔

بوٹ اتار دے ہوئے میں نے لڑکے سے پوچھا "مجاور کہاں ہے؟" تو اس نے زور سے ناک صاف کر کے کہا "جہر چنن۔"

اس مختصر جواب کے بعد میں نے اس سے کچھ اور پوچھنے کی جرأت نہیں کی اور چپ چاپ بیٹھا کی میز پر چلے جئے گا۔ اوپر پہنچ کر میں نے رادیو کو ایک نظر دیکھا اور پھر سبزی ماں نمبالے دو قلوں کے درمیان ان تینوں کا انتظار کرنے لگا۔

دھ آہستہ آہستہ چل رہی تھیں اور اوپر سے ابھی ایسے دھماکی دیتے جیسے دھو دھو سے دھجک رہی ہوں اور ادا صلہ ان کے سامنے ہوئے ہوں۔ بچوں کا ہوا۔ وقت گزارنے کے لیے میں نے سگریٹ کا سبار ڈھونڈا اور جب سگریٹ بالکل راکھ ہو گئی تو دو نظروں سے معدوم ہو گئیں۔ شاید وہ ایڑے کی دوں میں معروف ہو گئی تھیں۔

جب اس نے چنار کی سب میز صیال چڑھ کر آخری مرحلہ ساری "اف" کی قومیں اٹھ کر کھڑا ہوا تو میں صیال کی ناک بند کر کے کھنکے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ ضرور آؤ گی۔ اس نے غول اور حیرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی "آپ کون ہیں؟" میں نے کہا "ابھیر حق تم نے مجھ سے یہ سوال نہ پوچھا تھا۔ لیکن اب جو پوچھ لیا ہے تو۔ میں وہی چھوٹا سا لکے ہوں جسے تم بچپن میں اپنے سینے سے لگے پھرتی تھیں اور میں انجی دھجک رنگی چڑیاں کا گھر ہوں۔ چننیں اور کرم لالی میں کے یہاں جاتے جاتے ہیں اور میں وہی شریر ماموں دار بھائی ہوں جس کے متعلق تمہیں لپٹا کر کھوں لیکن کسی کسے مرے وار بائیں بنا کر کرتی تھی۔ اب نہیں مجھ سے پوچھ رہی ہو میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟" ہیرا نام کیا ہے؟ یاد نہیں جب تم بورڈنگ میں داخل ہو گئیں تو تم نے مجھے ایک مرحلہ خواب میں دیکھا اور میں اپنی استانی کی گڑبڑ دہرائی۔ جب تم سنا سویرے سکول کے بارش سے کھیلوں کی جھوٹی بھر پور جھڑپ کی استانی کے انتظار میں ماموں کی میز صیال پر بیٹھ جایا کرتی تھیں۔ اس وقت تمہیں اسی کا تو انتظار ہوتا تھا جسے تم خواب میں دیکھا تھا اور آج جب دو خواب سچا سچا ہوئے تو تم مجھ سے پوچھتی ہو کہ میں کون ہوں؟" اس نے دودھ جی ہو کر کہا "میں اپنی اکل کو پکارتی ہوں۔"

میں نے کہا "تم میرا دو کھنکے پر آ کر اپنی اکل کو پکارا کرتی ہو مگر لاتی کسی اور کو ہو۔ ہر روز راست کو تم نے زم اور سرد ہست سے اٹھ کر میری طرف آنے کا قصد کرتی ہو مگر تم نے اپنی پسلیوں کے اندر دل کا ایک ایندھن تو پا لیا رکھا ہے جو تمہیں ایک نیا کھانسا کھڑا کر دیتا ہے۔ کیا اس وقت تم اپنی اکل کو پکارتے ہو نہیں کہ کتنی ہو کس وقت کی گردن مرڈ ہوئی؟ لیکن تم اپنی اکل کو پکارتی ہی کی ہو؟ تمہیں آواز دینا نہیں آتی۔ اب بھی تم اپنی اکل کا دوازے کے کمرے سے پتانا چاہتی ہو کہ وہ اختراچ گلیب کی مریض ہیں اور کئی گفتگوں میں بھی یہ میز صیال طے نہیں کر سکتیں۔ تم اس طرح کہہ سکتے ہو کہ آپ کو کھوکھو دینی رہی ہوگی؟"

بارش کے دوسرے قطروں ایسے پڑے آسمان کی ابر میں پگھلا پھرے گئے اور اس نے کہا "پھلکا اڑھو؟"

"اے۔" میں نے جواب دیا "تم خود فریبی کے شیرے جال خودی بنی ہو اور اس میں خود لپک کر رہ جاتی ہو۔ اس دن جب تمہارا کڑا صاف سفید ردہ اٹھارے کو پڑے تو گھر کا تو تم نے جھانک کر سنے زور سے کہا تھا "یہ کیا سمیت ہے؟" دراصل تمہارا مطلب تھا "یہ مٹی بڑی راحت

ہے، "وہ نہایت نکو جاگرتا کرتے کے لیے اس کے ارد گرد مسیحیوں کے پھیلنے سے بے اہار لگائی رہی نہ۔ جم غفیر مسرت کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ مذہبی کی ہے اور فاضلک کی رہی ہو لیکن ... " اس نے اپنے بڑے رفیق کے خطاب کو اٹھائی کے گرد لپیٹے ہوئے کہا: "میں نے کوئی خفیہ حاصل کیا؟ مجھے معلوم نہیں، تم کیا کہہ رہے ہو۔ میرے شرفوں کو بھی بڑھائیں کہ تم کو؟ " اس نے کہا: "تم خوشیاں اٹھائی کرنے کے لیے جھوٹی جھوٹی چھوڑ دو اور انھیں نصیب کرنی، وہ تمہارے لیے حلا ہیں بہت کمزور ہوتی ہیں۔ ہر صبح جب سورج کی پہلی کرن دروازے کی جھری میں داخل ہو کر زمینیں بیدار کر کے کہتی ہے۔ انھوں میں نہادے کے لیے خوشیاں لائی، وہ تو نم بڑا کر اپنے عجیبے کے بیچے ناچے بھیرتی ہو ہو۔ سرا سہہ ہو کر پوچھتی ہو: "میری بھئی کی خوشیاں کہاں لگیں؟" اور اس طرح ہر دو دو نمبھاری مسرتوں کا ذہنک دیا لیا ہو جاتا ہے۔ آسمان پر جب ہمیری درج نے نہاد کی درج سے کہا کہ کہ شین بڑھ کر ہم ایک دوسرے سے تم آغوش ہوں گی تو نمبھادی درج، درج القدس کے پردوں کی طرح ہلچل مچا رہی اور تم بھٹکائی کی پہاڑیوں میں آؤ گئی تو ہیں اور ان کے جب ہم اس جتنا درج اباد، دھرت سے کے سامنے کھڑے ہیں تو نمبھادی نے پیچھا سے سے صفوں کی ظاہر کر دی ہو۔ جب تم ناچنا جی میں جتنا ہو کر رہی جان سے ہزاروں نہیں، اس وقت نہاد سے منہ میں غمرا میٹھا کر، دلوں بھری کلائی کی "دو کلس" کی گھڑی میں کس وقت دیکھا کہ باور دکن نہاد سے غمیرنے کا چاہتا ہے، ہر باغ۔ آج تم اس کلائی کو اس گھڑی کو تو بچان، ادا ہو گھر اس ادا سے نما توں ہوا۔"

اس نے گھبرا کر پوچھا "تم کلمہ ہو؟ لیکن تم کلمہ کیسے پوسکتے ہو؟ تم تو " پھر اس نے کہا " مبرا اسنے چھوڑ دو تمہیں صحیحہ جانا سنا ہی ہوں۔"

میں نے جواب دیا "اگس جگہ سے کوئی واسطہ نہ پہنچے تو کہیں جاتا۔ ہم ذرا غصے المڑی میں کھڑے ایک دوسرے سے ہاتھ کر رہے ہیں۔ اگلے روز پھر چلیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ تم اور جس کا سانسو کی تم نہیں جاسکو گی۔ تم سے بات اسی لیے کہی کہ تم یہاں کھڑی رہو اور میرے دکان میں کبھی نہ داخل نہ آئے۔ ہاں تم یہاں سے جاؤ گی کہیں ہو۔ تم نے مجھے ایک دفعہ بلایا تھا اور مال دیا تھا۔ اب دوسری مرید بلایا ہے اور پھر تجھ کی ہی ہو۔ اگر تم ہمارے جگہ سے ہوتا تو تمہیں بلایا ہی نہیں۔"

فوس نے رونے پونے کہا "میں نے تمہیں کب بلایا؟ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہاں ہواؤ میں کبھی بھی اوہ نہ آتی بلکہ میں اس مقام پر ہی نہ آتی۔ مجھے کہا جڑتھی کہ تمہارے جیسے

بد معاش بد معاش.... "اور پھر وہ اُڑا اُڑا دوو نے گئی۔

میں نے افس کا کندھا تھپک کر کہا "میں جسے عالم کہتے ہیں ڈو واصل ہمارا اپنا پیار ہوتا ہے۔ ہم نے باہمی کیجئے ہیں دو ہمارا انجمنی ہوئی افس کی نورمہیں کہنی ہوئی ہے اور جس نے ہم پر حملہ کیا کہنی ہو دو چہرہ کا جواب ہوتا ہے اگر تم جس کی کہنی چوب بننے کی معاونت نہیں ہونی تو ہم بیخوش ہونا نہ کہیں لیکن دو تو مجھے ہے کہ تم کہیں سے لے کر اب تک محبت کرتی آئی ہو، دو بڑا ہے میں ابھی اپنے عاشقانہ جذبات سے گریز نہ کر سکتی۔ یہ نہیں اس تم مجھے پہچانتے ہو تو مجھے نہ پہچانتے کی کوشش کیوں کر کر رہی ہو؟ تم نے بڑی مشکل سے ریل گاڑی کی صحت سے لب چرما ہے اور اب اسے پھر اس جگہ لگوانے کی سوچ رہی ہو، اس طرح سے تم دو چہرہ بال کر دئی۔ ایک ریل گاڑی کی بود ایک اس چہرہ کی جس نے غم نہ ڈالا ہے۔"

اُس نے آنسو پونچھ کر کہا "میری بھو بھی بھی ساتھ ہیں اور میں ان کے لڑکے سے منسوب ہو چکی ہوں۔ تم کیوں..."

میں نے کہا "تم اسی سے منسوب ہو جس کا وجود حق تعالیٰ نے سائنس دانوں کی سطح پر کیا۔  
تم اسی سے جانیں جاؤ گی جس کے لیے تم لوگ کیا چیزیں ملی ماری پھری ہو۔ نہادے  
ہو چھو زیادہ جانتی کا وجود جس ایک حادثہ سے، موٹر پہلے زحمر کے چہرے سے نکلتی ہے جاؤ  
بندش اسے الگ کر کے گھمگھمادہ اور دہاں نو فرمیتا ہے۔"

اس نے کہا، مجھے معلوم نہ تھا کہ کوئی دیوانہ مغیرہ جہانگیر کے بیٹا میں جھپٹا ہوا ہے۔ وگرنہ یہ کمال ہوگا۔“

[illegible]

اس کے انسو تک ہو چکے تھے اور دھوکے والی ان گھنوں کی سفیدی پر فلی ہو کر کاغذ کی  
نکلاں بن گئی تھی۔ اس نے اپنے لب لہو لے لود باز موہیم کے پردوں اور اجنبی دانشوں میں اپنی سرخ

میرے ذہان و بالی پھر اپنے گوشہ چشم سے مجھ کو بکھار دیتی "تم ہمارے پریمی نہیں؟"

میں نے کہا "ہاں تم میری چوتھی اور دوسرے مکان کے گرد جو کئی گئی وہاں سے دو ہوا پڑوسی ہے۔ یہ کہ دو اس طوعے کا سہا ہے ہوں جو ہر حالت میں ہمیں ملے یہ دیکھ کر نہ کے لیے ایک کہانی سنا کرتا ہے۔ اس کی ہر کہانی میرے گھر کے دروازوں میں ایک ایک بیج کی طرح پڑتی ہے۔ وہ میرے لطفے کا سنا بند ہو گیا ہے۔ تم ہر شام وہ مجلس اکھاڑنے آتی ہو مگر ایک نئی شوکت کر چلی جلی سوار میں سنا ہے شام تک: اور اس کو وہ فحشوں سے کھرچ کر چاکر کر تپ لگنے کی کوشش کرتا دیتا ہوں۔ لیکن تم جانتی ہو کہ میرے گھر کی دیوار بن گئی کی کھال سے بنی ہیں جو مجلس سترہ لطفے ہی اپنے زخموں کو دیکھ کر لیتی ہیں۔"

اس نے ٹھوڑی کے پیچھے برقعے کی ڈوری کھولنے ہوئے کہا "تم بڑی مزیدار باغی کر رہے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اس سے کہیں؟"

میں نے کہا "تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنا سترہ بھول نہیں۔ میں بڑا ہونہار شاگرد ہوں اور اپنے معلم کے سامنے آموختہ ہونے حسن و عیبت سے ڈیرا لگتا ہوں۔"

اس پر وہ مسکرائی تو اس کے گالوں میں دو ننھے گڑھے پیدا ہو گئے۔ درختے ہوئے فحشوں والا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر بولی "مجھے معلوم تھا کہ تم بھی اسی قدر بے قرار ہو۔ میں نے سوچا کہ دیواریں کھرچنے کھرچنے تمہاری لگنوں میں دوسروں جاسیں گے اور تم انہی کی طرح کچھلی پڑھا کر مضمینی بند ہو جاؤ گے لیکن یہاں نہیں ہوا۔ تم دھن کے کچے نکلے۔ آداب مہر دوں تاکہ اس خطے کی گردن مردوزیں۔"

میں نے کہا "اے تو نے کوشاں مارا۔ اس میں میری جان ہے۔ اگر میری جان کل گئی تو تم مر جاؤ گی۔"

اس نے کہا "مجھے اپنی زندگی کی پروا نہیں۔" میں نے جواب دیا "مجھے بھی اپنی زندگی کی پروا نہیں لیکن تمہارے فحشوں کی زندگی میں عزت ہے۔"

اس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "لیکن میرا چھوٹی اور بھائی اس دن کے کو بارڈالے گا کیونکہ اس کی ناک بلی جیسی ہے۔" اس کی آنکھیں ملنے کی طرح میڑ ہیں۔"

میں نے اس کے سر کو کندھے سے لٹکا کر پکڑا دیا "تم شکر کرو۔ وہ اسے گزند نہیں

پہنچا سکتا۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ بھی جلس میں آئے جہاں بال اسے پہنچا دیا لیکن اب اس کی ہوا ایک ناچ ہے۔ انا جو ایسی چیز پر نہیں پال کر سکتا جن میں اچھا سنا لگے۔ سو۔"

اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور اس نے میری بولی پر ناک گڑنے ہوئے کہ "ایک مرتبہ جب میں کمرہ استخوان میں سوال حل کر رہی تھی تو تم نے اچانک آن کر مجھے گدگدایا اور میں نے جل کر کہا انا تم نے تو وعدہ کیا تھا کہ یہاں نہ آؤں گا۔ لیکن اب میرا وقت خراب کرنے کو یہاں بھی پہنچ گئے ہو تو تم نے قسم کھا کر جواب دیا تھا کہ میں آ جاؤں گا۔ تمہیں وہم اور با ہے۔ اس پر میں نے شب آ کر کمرہ بھانجا کر کتا جھوٹ پالنے لگی۔ آپ جہنم میں جاؤ گے۔ لیکن میرا مطلب سمجھتے؟"

میں نے سر ہلا کر کہا "ہاں۔"

اس نے اپنا خاصہ میری چھاتی پر ہولے سولے۔ رہنے ہوئے کہا "آپ سے ملنے کی سزا پہلے ایک چنگاری بن کر نکلتی رہی۔ اس کے بعد فرما بھڑک اٹھی اور آج کے جس فحشوں نے مجھے ان حالت جلانا شروع کر دیا۔ میں اس کو اب گویا جہنم میں بھیجا جا رہی ہوں۔"

میں نے کہا "تمہاری غم و غم و پھیلنا ہیں اور میں صرف سیدھی سادی و فحش سمجھتی

الجب تک کہ نہ سنا، اس سے میری کچھ نہ ملے۔"

پھر ہم دونوں ایک چھپر پہنچ گئے۔ میں نے اس کی گود میں سر رکھ دیا جس میں وہ اپنی

واپس سے کھینچ کر رہی اور اچھا چھپتا تھا۔ فانی رہی۔

خود فانی ہی دیر بعد میں سبز میوں سے نڈر سولہ کی چاپ اور پچھلے ہوئے سانسوں سے

پائیں کرنے کی آواز میں نے لگیں۔ میں اس کی گود میں سے سر اٹھا کر انہیں بچھ گیا۔ گھبراہٹ ہوئی

تھا ہوں سے میں نے اس کو گھبراہٹ میں اس کی آنکھوں میں آنسوں اور نڈروں پر ٹپکی سی مسکرائی تھی۔

اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر کہا "یہ میرے کی گوتھی ہے اور میری زندگی قسم کرنے کے لیے کافی

ہوگی۔ اس طرح میں اپنی فانی اور اپنی چھوٹی کچھلی آسمان پر نہیں ملنے سے بچ جاؤں گی۔" یہ کہہ کر

اس نے اپنا اٹھانٹا تھوڑیوں کی طرف بڑھا لیکن میں نے اس کی کالی مٹیوں سے بچڑی۔ اس نے

زونا لگا دیا اور وہی زونا زنا میں ہم اٹھ کر لڑے ہو گئے۔ اپنی ساری فوس سے اسے فرش پر گرا کر اپنی

صحت سب لڑکی کی حفت اور جز ہر فرد کھنے کے لیے اس کی جینز کی بلندی سے بچھو دیا۔





آکھیں تیکن پین جواب دینے کی سکت نہیں۔ اسی طرح کمان بیکار گناہ ہے۔ اگر کھینچ پست کر دیا جائے اس کا کمان چوڑا ہو، چھوٹے ہو تو خود اڑاؤ ہو۔ کہتے ہیں: "میرنگ والا بے لاقی" لیکن بڑا پست پست کمان کب باقی رہتا ہے؟ "اگر اس کی کاپی بند کر کے کہتے ہیں: 'جائے میرے لیے ٹھنڈے چنی کی ایک گلاز'۔" اور نہ تو حق ہے سزا دینا اگر کسی کے دروہ سے کسی طرف تیلوں کا پست چھینے والے کو جہنم کی پادشاہی آئے اسے حق دینی ہو۔

ایک مرتبہ ایسا حادثہ رونما ہوا کہ ایک نوجوان نے کتاب لائبریری سے لینے لکھنے والا ممبر بننے نہیں بلکہ کتاب ڈیمو سے وہاں صاحب کے پاس ہے۔ دوسرے دن پولس پہنچیں۔ میں دنا لگانے میں مصروف تھا اور ان صاحب، دل بھائی کو پڑھائی کے رخ اوڑھے ہوئے آگے گھس بند کیے لینے لگا۔ یہاں سے مندر "کتاب" زبان صاحب دو کتاب آپ کے پاس ہے۔"

زبان نے انکھیں کھول کر جواب دیا: "میں سب پڑھ چکی ہے۔ اور پھر گروے بدل کر دوا کی طرف مڑ کر لیا۔ میں اچھا چار چار سے اٹھ کر ان کے ساتھ کتاب تلاش کرنے لگا لیکن وہ شلی۔ یہاں سے پھر کتاب "سلسلہ زبان اسکات" یہاں سے نہیں۔"

زبان نے اسی طرح لے لینے جواب دیا: "میں نہیں کہیں ہوگی۔ چاروں تو اسی میں ہیں۔"

پہلی تھی۔"

سیما اور ساہجی کی سنے اس بدتمیز پر احتجاجاً تالیاں بلند کر دی اور مٹھ پھلا گئے علی گڑھ۔

میں نے کہا: "بار! عجیب الحق ہو۔"

اُمی نے کہا "ہاں؟" دو، پھر سو گیا۔

ایک مرید بپ کالج میں ڈانس کی رہبریل ہوئی تھی تو زمان بھی وہاں پہنچ گیا۔  
 سہماہی کے چم کے پاس کھڑی تھی۔ سلیم اپنا مکانہ ہول ٹرائی کے طے ذکر نے آنا وہاں سہما  
 گھاس پر ہاتھ رکھ کر کہا "اوپر بول ادا دل چہ نہ ٹرائی بیٹہ۔" چہ پتہ کیسے کیسے اس ایک ہی  
 گھاس میں بانی بیٹے گئے ہیں۔" تو سلیم اس کی ہمدردی سے بہت مرعوب ہوا اور انھوں ہی  
 آنکھوں میں غم کے آدرا کرے باہل گیا۔ "وہ ان کے ہاتھ میں چپاس لگی ہے" اور ہمانے چہر  
 گاس پر آنکھ رکھ کر کہی کہ تو زمان نے گھاس ان کے ہاتھ سے کھینچ کر رکھ سے ہائی انڈا اور  
 شہن غصہ ہائی گیا۔ ہمانے کہا "غصہ نہیں کا۔"

زمانہ نے کب ”وہی کہیں کی“ اور ایک مصنفی ذکرے کربال سے باہر اٹھا۔

ہولکی انکم۔ سی۔ اے سے ایک تہ کا مقابلہ دیا۔ ہمارے کچے کچے تھلاؤ دوسرے بے گناہوں  
 کے مقابلے میں، مقابلہ دینے والے نے ان کا مقابلہ کیا۔ جناب جرجسٹ سے ایک کپتان نے ہمارا اور نوان  
 گریگس۔ ریمک سے باہر نکل کر اس نے سہارا دیا۔ اس میں اس نے کہا۔ ان کے قریب  
 جاکر ان سے ہمارے ہو جائے۔

”مَقَالًا = لِيَسْتَدْرِكَ؟“

”بہت!“ سبائے مسکرا کر کہا ”اچھا اسی ہوا۔ آپ کا مان بھی ٹوٹا۔ اپنے آپ کو پہنےا  
 کہا جو لوئی“ مجھے ہوئے غلے۔“

[illegible]

مردوں کی ایک جمہور تیار راست کہا، وہ جیسے کہ قریب دو کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے سر اور بازو پر پٹیاں باندھی تھیں، اور اسے خون دس رہا تھ۔ جیسے جیسے اسے میں جاگ اٹھا اور اسے اس حالت میں دیکھ کر میرا دل رگڑا۔

”کہا ہوا؟“ میں نے رضائی پر سے ہچکچاہٹ کر پوچھا۔

”کچھ نہیں یاد“ اس نے جب سے سگریٹ نکال کر بعد میں وہابی کو دیا جو اس کے ہاتھ پر پہلو کے بل کھڑی کر کے دواغلیں ہاتھ سے اس پر دوسلٹی ڈگڑے ڈگڑے لگا۔ میں نے کہا ”میں جانا دے دینا ہوں۔“ تو اس نے نکال کر کہا ”آخیر کیوں؟ میں آج سگریٹ بھی کھینچ رہا تھا۔“

میں نے پھر پوچھا "تو زخمی کیسے ہو گئے؟" "میں نے تسک کر کہا "جیسے ہوا کرتے ہیں۔۔۔ میں نے اس کے جواب کے لیے ناراضہ و دھجھ کر ایک ویل چڑا اور فوج سے سہی کے کھچا کئی کئی ختم کیا۔۔۔ پھر میں بنی کر اپنے ہسپتال چلا گیا۔ اسی ہے نو بجھے ہوئے گولی اور اب آج دس بجے۔۔۔ جواب ملتی گئی ہوئی اور جرات بھی۔"

میں نے پوچھا "گمر، وہ کون؟"

”مجھے کھا بھر۔“ ان نے بسز میں کہنے کو کہا ”اکی تاریک رات میں تمہیں مکمل پوری سلا حالی ہے۔“

"و کچھ بولائیں؟" میں نے پوچھا۔

"بولنا تھا۔"

"کیا کہنا تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

میں نے گولی دے کر کہا: "جو جہنم میں تھے سے چھینا ہی کون ہے۔"

اس پر وہ جیسے کہ اور غصہ نہ خود سے اٹھنے کے بعد درمک بنسٹار پر جاتی بھگا کروا دیا ہے  
بزم میں نہ سر پہنٹ کر میں جی جی میں آئے گا وہ دتا، باب پھر میں نے رضائی سے منہ نکال کر  
پوچھا: "بار! تم سنے کی آواز سنیں تو کیا بیچنی؟"

اس نے جھٹکا کر کہا: "چاچا! میں نے پہلے کبھی اس کی آواز سنئی ہوئی تو بیچنا نہ تھا۔"

پھر ہمیں ہر سے کوئی نہ بولا۔

جب دوسرے دن کو بجی میں، باب ایک نے باہر اس سے رات کے عادی سے معلق  
پوچھا: "فرار کیا؟" اس نے ٹھک: "کہ تو نے بوڑھا چاکر کس ڈس لگا دیا کہ پھیل امت کسی شخص نے مجھے  
جان سے گھٹا کر لیا، میں مٹنے کے لیے عادی نہ تھا اس لیے میرے ذہم آئے۔ جی اسی وقت کالی  
مٹی، لب نہ دھست ہوں۔ بڑا گرم کوئی صاحب میری روانہ ہو چکے۔ میں اپنی داستان میں بنا  
کر تھک گیا ہوں۔" اور اس کے بیچے اس نے سوتے حریف میں، ان خان انصاف خود لکھ دیا۔

اسی نام میں اسے سائیکل پر بٹھار لے کر روانہ نہ پہنلے چار، بٹھا کر راتے میں  
سہاگن مٹی، اس نے ہمیں روک لیا اور زمان سے کہنے لگی: "سفر زمان! میں نے آج آپ کو کوئی  
بندہ سے بولے دیکھا تھا، لیکن اس کے تعلق پوچھنا مناسب نہیں تھا، کالج کے گھر کو ملے ہوئے  
آپ کا اعلان پڑھا تو میری بھی آپ دیکھا کہنے کو چاہا۔" میں نے کہا: "دعا ہے؟"

زمان نے سائیکل کی گدنی پر قبضہ لگا کر کہا: "کوئی کیا دو بیچے کے قریب جب میں اپنے  
کالج کے پھیلائے انمول والی مرکب چار ہفتا تو کسی نے سہارا دے کر لگا دیا۔ میں ذک گیا اور  
بچے مڑ کر دیکھا، سو ملہ نہ کہ ایک آدمی کس پتے میرے پاس آیا، فرامی در کو دکھا، پھر ایک دم  
مخبر سے مجھ پر وار کیا جو میرے پاس نہیں ملے گا، میں نے کہا: "میں نے اس کی تصویر کو پھٹ کیا، مگر چونکہ  
میرا کندھا زخمی ہو گیا تھا، اس لیے ضرب ٹھیک سے نہیں لگی، اس نے مجھے نیچے گرا لیا اور پوچھا: "تم  
سہا سے محبت کرتے ہو؟" میں نے کہا: "ہاں۔"

میں نے ٹھک کر پوچھا: "آپ نے یہ کیوں کہا؟"

"دوسرا لیے، زمان نے گفتگو پہنچی بھاتے ہوئے کہا: "کہ اگر میں نہیں کہہ دیتا،  
دو مجھے چھوڑ دیتا اور بھٹکتا کر میں نے صرف جان بچانے کے لیے اس کا کہا ہے۔ پھر میں نے پھر پڑا  
دھکا کر کہا: "اس کا خیال چھوڑ دو، نہیں تو مجھیں جان سے مار ڈالوں گا۔" میں نے جواب دیا کہ میں  
جان سے جانے بغیر اس کا خیال کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ یہ کہنے ہی میں نے پوکی مل منت سے اُست  
پر سے کھلیا اور دوڑا کر جا کر اسے سنے سے بچا، نہ کہتی ہی ملیا، وہ بھٹکا گیا۔"

میرا اس کا جواب دینے بغیر غیر خواہ گھول سے اُست مجھ سے آگے چلی گئی۔

رات سے میں نے اس سے پوچھا: "تم نے بہت مجھے کیوں نہ بتائی؟" اس نے  
جواب دیا کہ چونکہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے۔

اس واقعہ کے سونے عرصے بعد راج کے مینے میں جب ہم ٹھک اپنے کمروں کے  
دروازے کھلے چھوڑ کر اندر ہی سوتے تھے ایک اور عجیب واقعہ ہوا۔ دو بجی رات کو کسی نے نہ سے  
کمرے کے دروازے سے ٹھک کر سونے ہوئے زمان پر پھولی سے دو قاز کے، نہیں لب ک شہر  
ٹوٹ گیا، دھڑ پڑتی ہوئی آکسو، ڈاکشینی کے بہت سے اور ان گولی چٹ کر ٹھک گئی۔

چند دن بعد زمان ہوشل سے چلا گیا تھا اس نے کافی آنا بند کر دیا اور مجھے ایسا چھوڑ کر  
پتہ نہیں کہاں چلا گیا اور آج بے جا دو سال بعد ہی زمان نے کافی باؤں کی مہربانوں کے نیچے  
میری آنکھیں میں اٹھنے سے جواب دے کر گویا چھٹا: "میں کون سو؟"

خباہار ہوئی میں درمک اس کا نظارہ کر دیا، سامت بیٹھ مجھے جھگڑا۔ وہ نہ آیا۔ میں نے  
کمرے سے باہر نکل کر برآمدہ میں بیٹھ لگا، سونے کے چاکر کے زمان انب ہی سے سے ہوا پتہ  
پوچھ رہا تھا۔ میں ایک کراس کے پان پانپا اور اسے اپنے کمرے میں لے آؤ۔

گھنٹی بج کر میں نے پڑے کو باہر اور زمان سے پوچھا: "چاہتے ہو گے؟"

"نہیں" اس نے منہ پھاڑ کر جواب دیا۔

"آؤ تو کیوں؟"

"اس نہیں!"

جب اس نے "نہیں نہیں" کہا تو میں نے جیسے سے کہا: "جو کوئی کا نہیں۔"

میں نے زمان کے قریب کھینچ کر لے پھر ہی ٹھک کر اس کے کھٹے جانے کے



بعد سے ابھی نہیں ڈوچے ہوئی اور آج صبح اس کا کوئی کھوج نہ مل سکا۔

"لیکن وہ کئی کہاں رہا؟" اس نے حیرت سے پوچھا "اس کے ہاں باپ نے ہمیشہ کبھی نہ کی؟"

"کی بھائی! بہت کی! مگر اس کا یہ ہی نہ چلا۔"

"کمال ہے" اس نے اپنے گھر کے کسی جیب سے ایک چوڑی لٹائی اور چوسنے لگا۔ پھر میری طرف محبت بھرتی کر رہا تھا "جس حالت میں تم کسی نے گولی چلائی اس سے اگلے دن میرے بچے لادہ ہو رہی تھیں۔ اس نے مجھے کہا کہ میں شام کو اسے دروازہ پر ملوں۔ میں نے اس سے دوچہ پوچھی تو اس نے اٹھا کہا کہ تم کو بتاؤں گی۔ شام کو ہم کرکٹ گراؤڈ سے پرے درختوں کے ایک چھنڈ میں بیٹھ گئے۔ یہاں سے کہا "ان دنوں اگر میں تم سے ایک چیز مانگوں تو وہ ہے؟" میرے منہ سے یہ نہیں بولی "ضرور" انھیں گیا۔ اس نے روٹی مانگوں کہا "مجھے اپنی زندگی دینا! میں نے بازو پھینکا کر جواب دیا "نہ تو اس نے کہا" میں اسے لے جا کر جہاں چاہوں رکھوں؟" میں نے کہا "جو چیز تمہاری ہے اس کے ساتھ وہیں چلے والے کو ان؟" پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور وہ ہاتھ بٹوہ کر بولی "میں اس سے چھہ چہیے۔ اپنے گاؤں میں آگیا اور۔۔۔ دو گت آپ کو مار ڈالیں گے۔ آپ کو۔۔۔ آپ کو۔۔۔ پھر وہ سسکیں بھر کر روٹنے لگی۔ میں نے کہا "یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا میرے حمل اور بچے کے لیے میں ڈر کر بھاگ گیا ہوں۔ میرے دوست کہیں گے میں بڑا دل تھا اور انکسٹ میں مجھ سے مارے ہوئے میرے حریف کہیں گے وہ اب ڈالتا تو۔۔۔ میں یہاں سے نہیں چلوں گا یہاں خوار و کھوار کبھی کیوں نہ ہو جائے۔ تم مجھے اس بات پر مجبور نہ کرو۔" اس نے کہا "تم نے وعدہ کیا تھا اور میں نے اس کی کٹ پڑائی ہی پیڑ کی طرف کش کی ہے۔ اب تم اس چیز پر اپنے دھرم کو توڑ رہے ہو۔ میں نے تو سنا تھا کہ تمہارے وعدے کبھی نہیں ٹوٹتے۔" میں نے میرے وعدہ کو لیں تھا کہ اپنے گاؤں کو نہ چاؤں گا پرنیکی چاہا جاتا گا۔ ہاں میری برادری کے چند افراد سواری وچہ گاؤں میں دین کر رہے تھے اور میں جنہیں بنائے بغیر ان کے پاس پہنچ گیا۔ دن رات مجھے ایک بہن خیاں کہنے سے بڑا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ وہ کسی چیز سے ڈر کر بھاگ گیا۔ میں نے ہر ماں ایک دیکھ کر کبھی کی زندگی سے شک آچکا ہوں اور وہ آج آتا ہے جہاں اب مجھے اپنے وعدے کا انکار بھی پاس نہیں۔ اگر زندگی میں ایک وعدہ ادا نہ ہو سکا تو کون سی قسمت دے گی۔ میں تمہارے خط کا ایک بے تکلف انتظار

کر رہا تھا اور اس کے بعد میں پھر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ چار دن گزر گئے خط نہ آتا تھا۔ آیا۔ پانچویں دن صبح میرے پاس پہنچ گئی۔ اس نے مجھے کچھ کچھ کی تھی اور دلچسپ خبریں سنائیں۔ تمہارے حقیقی تانا کٹر نے ایک نیا پال لیا ہے۔ مارے چھپا کر اس میں لے آئے ہو۔ لپٹا کر کے بارے میں بتا دیا کہ تمام لے کر دہار کئے ہیں کہ وہ لپٹا بہت بڑا ہے۔ یہ نہیں کیاں چلا گیا۔ خدا جانے نہ ہو کبھی یاد کرتے ہیں۔ پھر سارے کہا کہ تمہارا بیٹا آئی کیوں کہ تم اپنا وعدہ نبھاسکو۔ اب میں مرنے لگا ہوں۔ سارے دنوں میں اور تمہیں اپنے قول پر قائم رکھوں گی۔

مجھے کسمیرہ میں ایک معنوی سی نوکری مل گئی اور جینڈی بازار کی ایک گھوٹی میں ہمارے شادی ہوئی، لیکن یہ درودھی بھی سی رہی اور جب میں دفتر سوتا تو وہی بھی رہتی۔ شام کو اس کی آنکھیں سوجھ گئی ہوئیں اور وہ چہرے پر معنوی مسکراہٹیں پھیلا پھیلا کر مجھ سے تھا کہ کئی۔ پھر ایک دن پچیس برس سے کیا ہو گیا کہ میرے چچے کو کئی کئی چھوڑ کر کہیں اور ڈروں چلا چلا۔ یوں تو یار میں رات کو اس کے ساتھ نہ ٹھہر گیاں کہ اس کے سہارے وہ بہت لپٹا کر تھا اور کبھی وہ اس سے نہ کرتا تھا یہ مجھے اس کے دل کا بڑا خیال تھا۔ انکسٹ اراکین آگلی کتنی میں مسٹر لال کی چاکہ نہ تھی۔ میں نے عرض کی دے دی۔ انتخاب ہوا اور ارمی آڈن میں بیٹھ گئے اور اب آڈن کی بائیں سٹال کا تو رات بیت ہوئے گی اگر کمرہ کبھی نہ ہوگی۔ وہاں پانکسٹ اور ڈائی ٹیکسٹ سے بڑا کمرہ دیا۔ لیکن صاحب میرے پانکسٹ کا ایک مقابلہ کرنا ہے۔ اور میری حیرت ضرور دیکھتے۔ ایک ماں کے اندر اندر میں ڈیڑھ بجے بٹھ گیا۔ یہاں سے بڑے ٹھانڈے تھے۔ اس نے ساری ہندوستانی اختیاریں اور۔۔۔ مانے اپنے ہم چار کی کر کے تھے۔ اپنے بچے کے چچے میں بیک کی کرکس ڈال کر دیکھنے مطالعہ کرتی رہتی۔ مسٹر لال اور فرول کی بیویاں اور بچے اس کے گرد گھبرائے اسے اس طرح طرح کی باتیں سنایا کرتے۔ اس دوران میں ہم نے شادی کوئی ٹھہر چھوڑا۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ ہارڈی کو چکر کھار ہمارا راض بھی ہو جاتے تھے لیکن سردی میں ہی اسے مٹا۔ وہ اپنے اہل و عیال کو چکر کھار بہت۔ ہار کر رہی تھی۔ مجھ سے یہ بات نہیں بول رہا تھا۔ نہ دوتی اور نہیں سے جھگڑا شروع ہو جاتا۔ آڈن کی زندگی میں صرف ایک بار اس نے مجھے ملایا اور وہ بھی خیر اداوی طور پر۔ سردی قصور اخباروں میں چھپی تھی۔ اس پر اس کی نظر بھی پڑی۔ میں اس وقت دلی کی سڑکی کے ایک بڑا درخت اور بچے کو تنگ دیکھ کر بیٹھا مسکرت دیکھ رہا تھا کہ میرا سارا ہی چڑھ کر اوپر میرے پاس پہنچ گئی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہاں دنوں میرے ساتھ کبھی ہوئی تھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ

ٹنگے سے دل نہ بُری اور پھر فرش سے اٹھ اٹھ چڑھ چڑھ آئی تھی۔ اسیا میری طرف بڑھا کر اس نے ہماری تصویر دکھائی اور کچھ نہ بولی۔ میں سرگم کا ماحول سمجھوں چھوڑ کر فرامی میں اس کے ساتھ حاور ہو گیا۔ فرامی آہستہ آہستہ چھوڑ گئی۔ میں ٹنگے کے ایک کونہ سے پر بیٹھ گیا اور اس نے میری آستین بکڑ کر بھینکی۔ میں کچھ بولا نہیں۔ پھر اس نے میری کلائی بکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور بولی "یہاں نہ بیٹھا" میں نے کہا "نہ بوجھ سے ہلانہ میں نہیں چاہتی ہوں یہاں سے کیوں اٹھانی؟" اس نے میری دونوں کلائیوں بکڑ کر اپنی طرف کھینچیں اور میرے ساتھ چست کر دی "نہ سے نہ ہلانہ گی اور نہ اس کے ساتھ دیوانگی کی" فرامی زمین پر جھٹکی گئی اور مارے سے سبڑپوں اور مڑا اور دل سے بے خبر اور جھستے ہی طرح چلتی رہی۔

ایسا ہی شادی کے ہرے چھ سال بعد نکلیں پیدا ہوا۔ سو۔ کا اس سے دل لگ گیا۔ اس کے بعد شاید ہزار سے زائد سال کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور بارہا میں نے ہم سے کہا کہ یہ لڑکیاں بھی عجیب بلا شہہ مولیٰ ہیں۔۔۔

میں نے پوچھا "سہ ماہ کیوں ہے؟"

فرمان نے جواب دیا "پچھلے سال آپ کی ایک غلام سہل اپنے نوؤٹ سے امانا کچھ تر امانا دے میں اسے بذی سرزئی گئی۔ پھر آکر اس نے اپنی بی بی سے کہا کہ مجھے گرم دوا دے اور دوا آئے اپنے سہل پر رکھ کر لگے لگا کر اسے خندہ برتی حصار پہنچائی۔ سات گھنٹے تک سہل دے اور کمر اس کے گرد دھرتے رہے لیکن اور تیرہ گھنٹے ہو گئی۔ میں کورانی کی کسموت کا بہت درد ہوا۔ اور اسی دن سے ہوا ہے۔ سہما کی سوت کے بعد ٹنگے اپنے وہ دے کے مطابق ایک سال اور دو دن نہ بچا اور اس عرصے میں سہل کی حالت بدستہ درج ہوئی اور چھ ماہ بعد سے کہ جس کے بعد میں اس پر پوری توجہ بھی نہ دے سکا۔ اس دن مان میں نے خوب جی بھر کر برقی قہقہے دی اور سہما کا حق نہایتا در پیہ پاتا رہا۔ اور اب مجھے یہوں آنے پر ایک مہینہ بھی نہیں ہوا۔ سہل کی حالت اب بالکل بگڑ چکی ہے۔ ڈاکٹر نے مزید دئی کہ میں نے خوب غصہ کیا ہے اور آج وہ زیریں میں اس کا جھمٹ لینے پر رہا تھا کہ بھٹ گئے۔"

میں نے پوچھا "پر مٹ مل گیا؟"

"ہاں" اس نے سہل کے رتے کی بقی جب میں ہاتھ ڈال کر خاکی رنگ کا ٹیکہ کاٹ دیا تو کہہ دیا "اپ ڈاک میں بند ہو گئی دونوں کی جھٹکیں بڑھیں گی۔"

میں نے کہا "الطاف سڑے میں ابھی بہت سی دھمیں تھلی ہوں گی۔ ابھی دھل کر کہوں نہ لیں۔"

فرمان نے کہا "اب کس کیوں ہو؟"

"اکلی کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"میں بارہا جی نہیں ہوں گی؟"

"نہیں کیوں؟"

"نہیں سارا کچھ بار کیوں کیا؟"

"کچھ نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں" اس نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"کچھ؟"

"نہیں رکھا؟"

میں نے کہا "اچھا نہیں ہی مرشی۔ یہ توئی غلی بات تو نہیں۔ ہم بہت سے ایسے ہی خندہ اور اپنی ہمت کے پیرے ہو۔ بچے کی جان کے لالے کرے جس اور تم اپنی وضع اداری بھارت ہو۔"

اس نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور بولا "اچھا اب چٹا دل۔ کاسم سے طرس گا دیا گیا۔ اب بیچ کے قرب ہے۔"

وہ چھا گیا تو میں نے اپنے ہونے سے سو روپے کا ایک نوٹ نکالا اور چڑھ کر مٹھی میں چھا لیا۔ پھر میں تجزی سے اس کے پیچھے گیا اور اس کے پچھلے کپے کے پاس ایک باطلاتی خرید رہا تھا۔

میں نے کہا "ظالم! اپنی لمبی رات اور صبا میں ہے۔ مجھے نوٹ مل لو۔" جب وہ مجھ سے ہٹ کر ہوا تو میں نے سو روپے کا نوٹ چیکے سے اس کی مٹھی جب میں ڈال دیا۔ فرامی اس کے ساتھ چل کر میں واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا اور میرے سے کہا کہ اگر کوئی صاحب مجھ سے ملے تو کہیں تو انہیں کہہ دینا کہ نہ بے ہوٹل چھوڑ کر چلا گیا ہوں۔ اور کہہ دو کہ سات بجے ایک آئندہ ہاں لاکر مجھے دے دیا۔ میں کچھ کاغذ سے الگ کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں اپنے کمرے میں آیا۔ وہاں کے نام ایک خد کھلا اور اسے میرے ڈال کر رہا۔

صبح سات بجے میرے نے دروازہ دھککا مارا شروع کر دیا۔ میں نے کہا "جاگ کھائیں  
بھئی تم جاؤ!"

مگر جیسے نے سنا یہ میری آواز نہیں سنی۔ اسی طرف دروازہ پہنچ گیا۔ جھٹکا کر میں  
بستر سے اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے وہی کھڑا بیڑی بیڑا رہا۔ اس نے فیس کر کر کہا "پیارا  
عجب گھوٹے بچے کر سوتے ہو۔ اس عرصے میں ایک نیندا بھی نہیں ہوتی۔ بھلے ماٹس صبح اٹھ کر اللہ کا  
نام لیا کرو۔"

میں نے نفرت مٹاتے ہوئے کہا "بھائی مات کو دیکھ جاؤ، وہ اسی بچے اڑتا دوسرے  
اٹھا ہوا۔ وہ اب تو میں کی کاہ کو لوٹا نہیں رہا۔" پھر میں نے اس کے ہاتھ سے بیڑی لے کر  
لوٹ گیا۔ تب اور محسوس کیے اور پچھا "بھئی کہا ہے؟"

اس نے مسکراتے کی کوشش کی اور پھر کہی "وہی آواز نہیں بولا۔" پرا دو گئی اپنی می سے جا  
لو۔" پھر اس نے اپنے شرے کی جیب سے ہاتھ ڈال اور دامن اٹ کر کہا۔

"پیارا آواز دے کھتا۔ کل رات یہاں سے جانے والے کسی صاحبزادے نے وہ رنی جیب  
کاٹ لی۔ جیسے ہم بیڑیوں میں آٹ بنی ڈالے کھاتے ہیں۔ سامنے کو سڑ پڑا مانی میں کے پرمٹ  
اور میں نے اسے دروازہ کھٹکا دیا۔"

کہی "وہی جیب اس کی دروازہ کھٹکا تھا۔ پچھلیوں کے سروں کی طرح پڑ جھانک  
وہی تھمب۔"

## ہندو راتن کی سنج گلی میں

میں آپ کو انصاف چھو بھی سناؤں گا۔ آج مجھے ایک دروازہ کھٹا کرنے دیجیے۔ ایسا مازو  
پڑ نہیں کہ سے میرے سینے میں کلک رہا ہے اور مجھے بے چین کہہ دیتا ہے۔ شاید اس میں آپ  
کو اپنی کوچی کا کوئی سامان نظر نہ آئے لیکن میں کیا کروں مجھے بھی نزل سے ایک کھٹک لگال کر  
آرام سے نہنگی بسر کرنے کی ضرورت ہے۔

جب میں نے انٹریس کے اٹھان پاس کر لیا تو چاہو سے "بھائی کی ڈکری دلو۔ ساری  
برادری میں سن شان ہو جائے گی۔" ہمارے سامان اور اسے ٹانے بغیر کوئی سامان داخل ہو گیا۔ سیراٹھے  
ٹھے کھلے اسیا بہت سے میں خاصا غریب آکھائی دینا تھا۔ قبضہ اور جوتوں کے پیروں نے میری  
سفارش کی اور میری نہیں معاف ہو گئی۔ کسانیاں کا فروغ چلانے کے لیے میں نے چنچا کے ساتھ  
در با کمانا شروع کر دیا اور مجھے ان بھر کی کٹائی میں سے روٹے ڈالنا ملے گئے۔ جس دن ہمارے  
اکھڑے میں روٹیں رو بھی آ جاتے اس دن چا چاٹھے ٹانگے چار آنے سے دیتا۔ پہلے پہل  
چا چا کی طرح مال بھی میری چوٹائی کے خلاف تھی مگر جب است چوٹا کر لی۔ آپ کی کرنے کے  
بعد مجھے ڈگری کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت بھگد اور بیابانی کار بھی مل جائے گی "نواس نے  
میری مخالفت چھوڑ دی اور میری لائین کی چوٹی کو پر درازائی اور زحمت سے صاف کرنے لگی۔

چھلپاں کلانے کے لیے میں مات مجھے تک چا چا کے ساتھ ہڈا سے سکھایا کہ دیکھ صرا کر  
مجھے چھتا ہوتا تھا۔ تین چار مرتبہ پورے میں کھٹک کر جڑ بھونگی اٹھا "تو میں اسے ڈکری میں  
زال کر اپنی راہ لیتا۔ جا فر جا کتا۔" پر عرضی "آگ باہر ہو۔ مجھے پٹنے کی تھاری میں مصروف  
پاکر بڑی محبت سے "جنا" "نندا" اور "کوش" کہتا تھا "کوئی کا تھاکو ہے۔ سو رنگ کے جھونے آئیں"

مگر انچھرا سروس کے "ایجنٹ" میں نمایاں کدھے پن ڈال کر "جیتا" یا بدورس ہے۔ "ادو" پھر فیزی سے نذر ہو جاتا اور نہ مانے گئے۔ اہل کے بچے بن چاؤ اس کے ساتھ چیخ کر پلائی میں ڈالے انہماکدار کہلا رہے ہوتے اور پلے۔ مگر نہ رہا کھانے کے حق کے بھول دیکر رہے سوئے۔

ناپس گزشتہ دنوں سے کسی کو گولیاں بدھتے ہوئے ہاں پر شورو مچتی "تھرا جا رہا تھا میرے  
سے چھوٹا جوگا بپ ہمارا شاد ہوئی تھی۔ سرور ڈانکلیہ دوا کا لے جاتا تھا پر کیا جھال جو تھکی گئی  
نظرے دکی ہو تو نہ جانے سے پھر بھی حال کا بڑا اور آنا تھا۔" ہے  
میں کھتے کھتے جواب دیتا "ہاں" ہاں! میں بدھ ہاں ہے۔"

میں مکے لکھتے جواب دیتا "بول نہ! ال! میں نے ہر باتوں سے"

اور مالہ نہ موش ہو جائی۔

جو کچھ کہیں گے ہم، ہر کوئی جانتا تھا کہ میں سجاد اور مجھے کالاکو قتل قرار دیوں گی، اسی لیے مجھے اپنی غریب چھپانے کی چنداں ضرورت نہ ہوئی۔ میرا ہر مرحلہ سنی ہوئی خفیہ پڑتالی تھا، مجھے اپنی کتا میں پھنسے ہوئے اور پاکر تہ دو پہر کو کہا کہ کفر اوقات میں اپنے اُن دو سنوں کے ساتھ فوراً انگ روم میں کالاکو قتل کر دیں جو میں میں رہتے تھے۔ ان میں سے چند دن اچھے کچھ مجھے سے اس کھانے کی قیمت بھی لے لیا کرتے تھے، محمد و سیکھوئی نے زیادہ نہ ہوئی تھی۔ مجھے ان کے لیے ایک آدھ جواب مسنونہ فلسفے کے روپ میں ہوا، ان کا جواب لکھنا: جتنا چاہو، جتنی کھانے چاہتے تھے، میں نے اپنے آپ کو کبھی بھی اپنے دو سنوں سے جڑنا نہ کہا۔ ہر ایک تھا کہ اسی بھی کچھ جرم تک پہنچے ہوئے تھے، میں نے ان کی نفی اور دو تھی، شرارتوں میں شرکت کی آؤ۔ وہ بے ذلت اور کالی میں تمام لڑائی اور انفرادی شرارتوں میں میرے ہاتھ بوسے چلانے کے مطابق ہوئی تھیں، لیکن میں ان میں شرکت نہ کر سکتا تھا۔ ہر شرارت کے خاتمے پر جڑنا نہ ہوا کرتے اور مجھ میں انی طاقت نہ تھی کہ ایک آدھ جرم بھی برداشت کر سکیں۔

بیتھی کی ایک شام جب میں نے بوش کے محلے جوائن گوراسے دی کہ آج آدھی رات کو کچھ نزلے جو انٹوں کا بیڑا ہے اس پر چھ پرہیزوار ایک سالنا شیخ بیڑا پر چھوڑ دو جو ہمارے کسٹمر تھے اسے پاس میں جڑی النہیں سب نے گھنٹے بھی اس شب خون میں شام بوش پر بھجوا دیا۔ میں نے حسب عادت یہی جلد بخانی کا کھانا کھانے سے پہلے کربے معنی فرما دیا کہ دو دوسری جگہ سے بے باجرانہ آکر نے کھانا کھا۔ اس میں سے بھی مایا بھری۔

میں کہنے کو تو ہاں کہہ، باغمر و اسٹن بھر جی سوچنا وہاں کہ اگر کالج سے نکالے جانے کا

جرامانہ خانہ ۲۲۵ رات ایک بھی، چھٹی نہ چھٹی جانا تک پانی پر غیرت ہوئے فروزدے ہمارا غوطے لڑ کر اس بات کی غمازی کر دے تھے کہ بہت سی چھپلاں اس آس پاس گھوم رہی ہیں۔ چال ایک طرف چھپک کر میں ہمارا فریاد کے پاس جا پہنچا اور مٹنے کے کٹھن لپٹنے لگے۔ اسی وقت ایک ہمارا مجھ سے پیچ نہیں مٹسکا کسی کیس کا تار ہمارا ایک کا جواب بھی ٹھیک سے نہیں دے۔ میں ہمارا مانوس کے پاس پر چمکے کے بارے میں سوچ و بچا۔ آخر یہ فیصلہ کر کے اٹھا کہ چھاپے۔ راجا بنے۔

”لیکن چھاپہ مارا کس وقت جو مے“؟“ غار نے پوچھا۔

"ایک بچے" میں نے ہر می سائے نے ہوئے جواب دے۔

ایک نیکو گیارہ اور ایک ایک کے گیسٹ خانے کے چپ کے درمیان ہو چکی ہے۔  
 اگلے صبحے۔ چنانچہ ان کا ہواغلاہو دینی بیرونان جس میں گھر میں گھر کی جگہ خشکی اور سختی کی جگہ شرفی  
 نئی میں۔ ساری پانی کو باغ کی کھجور اور پانی کوٹ میں چھین کر لیا اور خوشہ و آب نماز سے۔ ہوا  
 پھر تکرار کر میں اور گھر۔ چاروں گوشوں کو اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد میں نے ایک ماسٹانڈر  
 چٹا بھی جا کر سامنے سے ایک سو فی آواز آئی۔ یہاں سے ۲۲

”جس ہوں!“ میں نے کہا۔

”ہیں کوئی؟“ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”میں جو کہتا ہوں“

”اچھا“ دو اور آگے بڑھی اور پرتی ”یہاں کیا کرنے آئے ہو؟“

ابو داؤد میرے سامنے کھڑی تھی۔

"لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ"

”پازار سے لے کر کیوں نہیں کھاتے؟ نمبر بارے باپ کا باٹا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

میں نے کہا "بازار میں انٹوئے ٹھہرے منے ہیں اور یہاں.....!"

اس نے زمین سے مٹی کا ایک بڑا سا دھلا ڈنڈا بنا کر دین کر بولی "القرآن دے لے!"

میں نے اس کے جواب میں جب سے کچھ چیزیں نکالی اور اسے وہاں لٹا دیا۔ پھر کہا

فرمے؟<sup>۱۹</sup> اور جب میں وہاں ملا تو اس نے اٹھ کر زمین پر پھینک دی۔ بخود ہی واپس ہوا

پھر ایشیا پر گونجی۔ کتنے جھوٹے افسانے اور سارے چادے ہیں منہ کے اندر اندر انسان کے

اور ہرگز شاعروں کے سر پر اٹھ کر کہہ دینی کچھ نظر دے کر نہ گئے۔ اس زمانہ میں مجھے

کئی دیوار کے اس طرف اس لڑکی اور اس کے ماں باپ کی گالیاں اور گونسنے سنائی دیتے رہے۔ اس کے دادا کو کبھی کہا کرتے تھے۔

ساتھ بیٹھ کر ان لوگوں میں سے ایک آدمی کو غلطی ہوئی تھی۔ مذہب نے مجھے اس لئے کا سرخ قرادہ کر کے پہل کر دیا کہ اس کا سارا حال بتا دو۔ پہری پٹی ہوئی اور میں صاف کر گیا۔ بلکہ میں نے یہ بات مانتے سے بھی انکار کر دیا کہ کچھ کی رات میں بیٹھ گیا تھا۔ پہل سے ہوش کے قیام لڑکی کو اکٹھا کر کے مجھ سے کہا کہ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ تم کل رات یہاں تھے تو تمہیں کوئی سے کال دیا جائے گا۔ ایک دفعہ جوت بول لیا تھا۔ اب چائی کیا سرحدیں بہت دور معلوم ہو چکی تھیں۔ ایسے گناہ جیسے چائی افق کے پاس رت سے اور میں جوں جوں اس سے قریب پہنچتی کی کوشش کروں گا وہ دور ہوتی جائے گی اس لئے ایک مرتبہ پھر مجھ پرانے ہو۔

دوسرے دن پہلے ہی میرے میں چڑھی ہوئی تھی اس کی لڑکی اور اچھے ہو چکے بول رہے تھے۔ ایک ساتھی سامنے سامنے چلی گئی تھی۔ اندر بارش کا مایا اور اس کی لڑکی اور اچھے ہو چکے بول رہے تھے۔ ایک ایک کواد۔ بلا جاتا تھا۔ اس کی شرافت کر دلی جاتی۔ میری باری آئی اور میں اندر داخل ہوا۔ مجھے دیکھ کر لڑکی کی آنکھیں خوشی سے تافتی تھیں۔ میں نے کہا: ہاں، میں نے یہاں تک ہاتھ داندہ کر کہا "مجھ پر زبردستی میں بھی تہذیبی طرح ایک ہمارا دی ہوں اور اگر تم نے مجھے پہچان لیا تو میری زندگی بچاؤ دے دے گی۔"

لڑکی کے ہاتھ پر "چھ" لکھا ہے وہ "لاؤ؟" لڑکی نے ایک آنکھ کھلا کر اور چٹائی پر بہت سی جھنجھٹیں ڈال کر کہا "یہ نہیں دیکھی جو کچھ تو کیا لکھا ہے۔ ایک ملائی ساتھ۔"

میرے غصے میں ایک چھوٹی سی خاردار بھڑائی آگ پڑی۔ میں نے نقد آہ نظر میں سے اُتے دیکھا اور اپنے کچے سے عزامت کا اظہار کرنے لگا۔ اس نے بڑی بڑی آنکھیں کھولیں اور جیسے کہنے لگی "اس مرتبہ تو میں نے تمہیں معاف کر دیا لیکن اگر پھر ایسی حرکت کرو گے تو یاد رکھنا۔"

اطلب اب پاس کرنے کے بعد مجھے دھنسیں لیا اور بھٹی۔ اے کرنے کے لئے لاہور آنا پڑا۔ کئی کئی فیس دیکھ کر وہاں کے کل چوراپے پینے۔ پانچ روپے عید نہ چاہی دیتا تھا۔ خرچ تو خیر کسی نہ کسی طرح چل ہی رہا تھا۔ لیکن سوئے سلوانے اور سیدنا کو پیسے نہ بچتے تھے اور اب یہاں دودھ سے بھی نہ تھے جو میری اخلاص کرتے۔ چنانچہ یہاں کسی کو میرا اصل نام معلوم نہ تھا۔ ہمارا دادا صاحب کہہ کر چکا تھا "اے" لے۔ اب بھی سمجھتے تھے۔ مگر وہیں نے مجھے اپنی مجلس

چھپانے اور یہ اپنے پر مجبور کرو تو میں نے دونوں باتوں کو اپنا لیا۔

شاہ جاکھی کے پاس سے ایک سو ارب گینٹ بیٹھ گئے۔ انہوں نے اور خط و کتابت کے لئے مجھے پانچ روپے بیٹھ کر دے دیا۔ شاہ کراچی میں یہ بات نہ تھا وہ چند غلطوں کے جواب تھے۔ پتے۔ پہلی گناہ پر تمہارا دے آئے ایک رنگ پر تھی مائی خریدنی۔ ایک پناہ لیکن گرت لے کر اسے اپنے جسم پر لٹ کر دیا اور کچھ افسوس ہوئی۔ جوڑے ذوق بعد کا میں ایک مرتبہ ہوا اور مجھے دس روپے نقد انعام دلائے۔ مجھے سینے کی گناہ مار دینا پسند ہے۔ لڑکی ایک چٹان بھی۔ معزز آدمی تو بن گیا لیکن یہ خدشہ ہاں کا گناہ ہو گیا کہ کسی دن چاہی نہ کھانا دے دلی سفید صوفی اور بغیر تسموں کے سیاہ بوٹ پہن کر کاغذ نہا جائے۔

آزادی کا اس بھی پر فطریاتی آدھا اور تم مستطیل میز کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہمارے تھوڑا کھانا نے پوچھا "پھر کدوں میں سے اچھا کدو کون رہے؟"

"مکھن کی" میں نے ایک دم جواب دیا۔  
مرید نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کہا "بھئی ایسا فیہا مران جواب ادب کی گلاس میں؟"

کار نے کہا "میرا مطلب ہے سب سے اچھی خوشبو والا چولہا کون سا؟"

شاہ نے جواب دیا "دھنسیں چلانا کا بچوں۔"

مکھن نے پہلی سے کہا "دھنسیں کر دینی" شاہ نے مجھ سے مجھ دیکھا اور بھڑائی کا پی پر جھٹکے۔ اس کی آنکھوں میں صبح بتا رہی تھی اور اس کے ہاں برسات کی اندھیری رات کی طرح سیاہ تھے۔ وہ دونوں باتوں کو بے پروائی سے سیر پر ڈالنے پر نہ تھی۔ انہیں بہت زیادہ لگی تھیں۔ جلد بہت زیادہ سفید نہ تھی مگر سیر پر رکے ہوئے وہاں ہاتھ مٹھتے تھے کسی عمو کی دوہلی موٹی سونٹیں معلوم ہوتے تھے۔ مکھن اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ لگی تھی کہ کراک ہاں ہار دے صرف اچھی سی گٹھائی کھا پئے سے برتر تھی۔ ہمارا چاہا کہ کابین مرید کے درمیان کو ایک بوسہ دے کر آنکھوں کے لئے لالہ مگر کراک ہاں روم میں اپنی اقلیت کا اظہار کرنے کی بجائے جرأت نہ

دہلی۔  
میری نہ دت تھی کہ تھرا پیر میں یہ لانا کاس سے ہر بار کرا دھا سحریت و سالم بڑی چیت اور پھر راتوں پر رہا مال رنگ کر اپنی جگہ بیٹھتا۔ ایسے ہی ایک دن شاہ نے آہ سے میں کھڑا

مگر عیثیٰ ہوا تھا کہ کلٹر میرے پاس آ کر لایا "آپ سید عمر گریٹ کیوں چلے ہیں؟"  
میں نے کہا "اے! اس لیے کہ میرے پاس اسے سید عمر گریٹ ہوتے ہیں اور اس لیے کہ قاتلو  
مگر عیثیٰ چنک میں نہیں کر رہا جاسکتا۔"

وہ دوا مسکرائی اور کہنے لگی "مگر عیثیٰ خوشی سے تو بھیجیے۔" اسے سب سے پہلے دیا۔  
میں نے کہا "ہو جاتے ہیں تو بوسے دو۔" اس نے دیکھ کر ہنس دیا۔ "شکر ہے کہ۔۔۔"  
اس نے کہا "انگلیاں بھی تو کاٹی ہوئی جا رہی ہیں۔"  
"انگلیاں؟" میں نے ہاتھ اٹھا کر اپنی انگلیاں دیکھیں۔ "کالی تو خیر نہیں، چمکی ضرور  
ہو جاتی ہیں۔"

اس نے میری بات کو کوئی جواب نہ دیا اور لاپرواہی سے لائبریری کی بیٹھ چیاں  
پڑھنے لگی۔

وہ کسی ایمر آدمی کی بیٹی تھی۔ عثمانیہ گھم کی بڑی سی دھن آتی۔ شوفر اس کی کتابیں اٹھا  
کر کمرے تک پہنچانے آتا اور پٹنے ہوئے ضرور سامہ کرتا۔ اسے اپنے باپ کی دولت پر کچھ ایسا  
غرور نہ تھا۔ سڑ سے بھی تو کندھے سکوڑے ہوئے ہیں گھٹی گھٹی جیسے کسی نے اس کے سر پر  
احسان کا پہنا ہوا دریا ہو۔ عقیدہ رنگ کی شلوار تھیں پہنے اور سر پر چارہٹ کا میزودہ پٹا ڈھونڈا سی  
طرح آتی جاتی رہی۔ کالج کی ٹیئر میں وہ اسی طرح کھڑی کھڑی چلتی جیسے وہ بھول کر یہاں  
آ گئی ہو۔ دراصل اسے تئیں اور جانا ہو۔

اب میں نے اس کے سامنے مگر عیثیٰ چنا بھڑو دیے تھے۔ چرخی وہ سامنے سے آتی  
دکھائی دیتی، میں مگر عیثیٰ کو جلدی سے بھاگ کر جیب میں ڈال لیا اور دانتوں سے باغین کاٹنے لگتا۔  
وہ میرے قریب سے گزرتی اور مجھے دیکھ کر آگے بڑھ جاتی۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر مجھے ہنس گئی  
جیسے اوچھے اوچھے گنگے دشتوں کے جھنڈ میں حالہ و شالہ پائی کے کمال کے نیچے طلسمی چارٹ  
بیل رہے ہوں۔ ساتھ ہی وہ بیٹوں کے آگے میرا سگریٹ روشن کر دیتا تھا۔

ایک دن بعد میں کیا ہوا کہ وہ نہ آئی اور میری حالت اس چن تو بے بسی ہوئی جو دن بھر  
خوٹے روتے سے بعد میں کوئی چمیلی نہ بکڑا سکتے اور شرم کو نہ لی ٹوکر لی کے اپنے ڈھیر سے چلا  
جائے۔ دوسرے دن اس نے بتایا کہ وہ اپنی ایک عزیز کی شادی میں اس درجہ مصروف رہی کہ کالج  
نہ آ سکی۔ میں نے کہا "اگر تھیں آتا تو کم از کم مجھے بتا دیا ہوتا تاکہ میں بھی نہ آتا۔"

اس نے خیران ہو کر میری طرف دیکھا اور بولی "میں تو کل بھی نہ آ سکوں گی۔"  
میں نے اس بات کو کوئی جواب نہ دیا اور دوسرے دن کالج نہ گیا۔ اس سے اگلے دن  
مجھے پتہ چلا کہ وہ کل کالج آئی تھی مگر ایک بیڑے پر چڑھ کر چلی گئی۔

میں دھڑکی کے ساتھ ساتھ اس کی طبیعت میں ڈر کا عنصر بھی تھا۔ چٹا بھی کھڑکتا تو کانپ  
آتی۔ ہوا کے جھوکے سے فرش پر پکارتے کا پڑے دوسرے سو تو وہ رو پستہ جاتی اور اگر کمرے کا دروازہ کھٹ  
سے بند ہوتا تو وہ اپنی نشست پر آ جھپٹ جاتی۔ خوف سے اس کے چہرے پر کئی رنگ آتے اور  
کمرہ میں بیل چل کر بجھل جاتے۔ اس کی وہی آنکھیں پیٹوں کی طرح کھلا جاتیں اور اس کی  
سانس ڈرا جھڑ ہو جاتی۔ میں نے اس سے کئی مرتبہ اس بارے میں پوچھا بھی مگر وہ کوئی معقول  
جواب نہ دے سکی۔ بس جیبن بگتی رہی کہ میں شرمیلی سے ڈر چاک ہوں۔

تھکنی رہ جاتی اور کوئی پوچھو تو یہ رنگ نہ آتا تو کلٹر کو کہتی "پوچھو میرا صاحب ابھی تک نہیں  
آئے۔"

تو میں فرما کر اٹھتا "اوو تو فوت ہو گئے۔"

میں نے اس پر تہہ داراں کا پچھو خوف سے ڈر ہوا جاتا۔

اس نے مجھے کئی مرتبہ پوچھا کہ کھانا استعمال نہ کیا کروں مگر مجھے تو یہ لفظ کھانا  
اس کے نہ کہنے میں مدد نہ آتا تھا۔ سیدہ رنگھی ٹیئر جا ضرور نہ تھا مگر ایک دفعہ نہ دیا گیا: داک  
اکٹھے پھر دو دن تک کاٹا نہ آیا تو مرس دن وہ آتی تو میں نے اسے کمرے میں داخل ہوتے ہی  
کر دیکھ کر کہا "بھارتو گھٹے تھے کہ چن بھارتو ہو گئے مگر آتے تو چلے آ رہے ہیں" تو کلٹر نے کہا  
"یہ پڑی زیادتی ہے۔ آپ سے کئی مرتبہ کہا ہے کہ ہاں نہ کیا کریں۔ آپ نہ کہتیں گئے! ابھی  
ہاتھس کرتے؟"

میں نے ہنس کر جواب دیا "نہیں۔"

ایک دن اس کی کار سے چلنے نہ آئی اور دو دن تک اس کا انتظار کرتی رہی۔ میں نے کہا  
"آج نہ آئے گا میں چلی جاؤ۔ آخر یہ بات گئے ابھی تو آپ نے مجھے راتوں سے آس پاس سے  
گھوڑے ہوتے بھرے ہیں۔" اس نے یہی کہتا ہوا من مانا اور ہم آہنگ ہوتا ہوا ہنسنے لگا۔  
چلے گئے۔ راستے میں اس نے ایک دوسرے مجھے باز فور سے دیکھا۔ آج اس کی آنکھوں میں  
غضب طرح کی چمک تھی۔ وہی چمک جو صدمہ ان دنوں کا پیسہ چاٹ چاٹ کر گرتے میں پیدا ہو جاتی



ایک رات میں نے فیصلہ کر لیا کہ صبح جا کر اس سے صاف صاف کہہ دوں گا کہ میں  
سجاول ماہی گیر کا بیٹا ہوں اور میرا نام لدا ہے۔ جس خود بھی وہ چھپک چھپک کر چھلیاں کھڑتا رہا  
ہوں اور مجھے ہلکا بھلک سب سے زیادہ یاد ہے۔ لیکن یہ فیصلہ میں نے اس وقت کیا تھا جب  
میں ماہی کے سحر سے ایک آنے کی دال روٹی کھا کر اپنی کھلی ہوئی بیٹیاں اور دیگر بچے صوفی کی  
چار دیواریں پر چت لیل تھا۔ مگر جب مجھے اپنی سستی کا اعتراف کرتا تھا تو میری کڑواہٹ کی نے اپنا  
چھینا خدا کر کے کہا "اوس ہوں آ"

اوپر مکتا ہوں سے مزہ دے کر کھلم کھلا دیا وہ روضہ شایہ کی اومدی سیدی کتابیں  
پڑھنے لگی۔ سارا دن انگریزی کی ایک سی امدادی سے جتنی دینی اور کفر کے پندوں پر لمبی لمبی  
عبارتیں لکھ کر انہیں اپنے جیلے میں ڈال دیتی۔ وہ ادب کی شاہراہ پر چلتے چلتے اٹھارویں صدی کی  
مکتی اور اس کے جیلے پڑھنے والی اور کٹھن کا ایک دہ ہوا۔ پھر دینی لائبریری میں انگریزی ادب  
کی امدادیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ کہا "پاپ کو یہ ہے انگریزی  
جذبات کی ترجمانی کرنے والا سارا ادب۔"

"خوت ادب سے کا" میں نے بات کاٹ کر کہا۔

"پاپ" وہ افس پڑی۔ اس کی گتیاں پھا پھا کر کہہ رہی تھیں۔ یہ بیات ہی دوزوں

نظر ہے۔

اٹھارویں صدی کے خیالات میں دن کمر بولی پائی گئی اور ادب سے کافی دور ہو گئی۔  
ایک ادھ مرتبہ اس نے اشارہ کرنا بھی کہ وہ امتحان دے دے سکے گی کیونکہ بہت سی انگریزی باتوں کا  
جواب دینے کو تھی کہیں پتا نہ تھا۔ مجھے اس کے اس رویے سے طعنہ دکھائی دیا۔ رات بھر تھک کر کسی دن  
چھپکے سے لائبریری جا کر اس امدادی کی کتابوں کے درمیان فائنڈر کا ایک تہہ دکھاؤں لیکن پھر  
خیال آ جا کہ اسے دینی ہوگا۔

پندرہویں صدی کے خیالات سے ایک دن آج تک مجھے ایک انگریز مصنف کے خطوط کی کتاب  
مل گئی۔ وہیں کھڑے کھڑے ایک ۱۰۰ صفحہ کا ہے۔ یہ کتاب لائبریری میں ۱۹۲۷ء سے پڑی تھی  
مگر ایک مرتبہ میں اسے پڑھنے لگی تھی۔ میں وہ کتاب پڑھ کر اٹھارویں صدی کے تنگ پڑھتا رہا۔ پڑے  
جذبات کی فطرت تھی۔ سیدھی سادہ دوزوں میں بیٹیاں بیٹیاں پڑا رہیں تھیں۔ بیٹا اٹھ چھ اس طرف  
شرعاً ہوتا تھا

اوپنے اوچے کچے گاتے ہیں۔ ان کی عموں اپنی چھوٹی بیویوں کے آگے بڑھ کر جالوں کی مرمت کیا  
کرتی ہیں۔ وہ تین ایسے راتوں والی ساواں فرسورست لہتا رہیں۔ میں نے ان کے بہت سے  
ذوقانات سے انہیں نے مجھے ہارنل کے چوں کی نوکریوں میں تازہ تازہ چھلیاں کھنے کے طور  
پڑیں۔ ان میں بہت سی میری سہیلیاں بن گئیں مگر وہ ان کا کیا ساتھ! ان میں شلوں سے  
مروت سے اہم! اس نے ایک سہیلی کی طرف دیکھا اور بولی "لیکن آپ میں ایک طرح  
کا شلوں ہے۔ مروت کی دس ہے۔ وہاں مروت جو صرف ان کے یہاں مل سکتی ہے۔"

میں کہہ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور مجھے ایسا لگا جیسے وہ کہہ رہی ہو آپ میں بھی  
بھی کی دس ہے۔ لیکن اس کا جواب تو ان سے آ کر پڑی ہے۔ دل کے چور نے کہا۔ اسے پتہ  
تھا کہ کیا کہہ کر تمام چھپیرے کے گڑے کھدایا ہو۔ میرے مجھے جس چھلی کا کاٹنا لگ گیا اور میں  
دیکھ کر دین پھر دیکھ کر اپنے جوئے کو ہست ہست فرش پر کھینچنے لگا کہ اس کی بہت سی باتیں مجھ  
میں نہ سکیں۔

کھلم کھلا رہی تھی "میرا کوئی ساتھی نہیں۔ ہمارے خاندان میں بہت سے آدمی ہیں مگر  
سارے کے سارے تہہ جڑیں۔ ان کے یہاں ہر قسم کا سوا ہے۔ لیکن لطیف جذبات کی کمی ہے۔  
گوئی ایسے ڈپنٹن گھبراہٹ اور اساتذہ سے سکے۔ کسی کی اتنی سکنت نہیں کہ میرے ساتھ کر میری سکیم  
چلا سکے۔ لیکن میں کیا اس تو خود ان کے ساتھ آئی رہا۔ میں بڑی تیزی سے بچے جاتی ہوں۔  
مجھے معلوم ہے ہر اس شخص کیا ہوگا۔ مجھے اس دن کا کلمہ ہے جب میری تعلیم کسی کا کچھ نہ بگاڑ سکے  
گی۔ میں تو اس دن کو اٹھ کر رہی ہوں۔ شوق سے اپنی بڑی شہت سے!"

اسی طرح سے بیٹھ کر اٹھارویں صدی کے خیالات میں نے چل دی۔ میں نے ان دوزوں کا کوئی  
جواب دیا نہ اس سے بات کر چکا۔

جب سے وہ رات کی تھی تو تھی "کہا بھی لکھی ہی رہتی تھی۔ عجیب عجیب سوال پوچھتی  
تھی۔ کسی کسی سے نہیں بتاتی تھی۔ اپنے دل میں دواؤں کی کرائی اور اپنے حلقے بھی پڑھیں کیا  
کے تھکے جاتی۔ ضروری دواؤں کی دس دس پونے چھلے اور دھم دھم گڑبڑاں  
میں اس سے بچتے ہوئے اب اس لیے کھڑا تھا کہ اس پر میری حقیقت کھلی ہوئی اصرار  
ہوتی تھی۔ اس کا بچے چھپو کی کھیر کھانوں سے صاف کھیر ہوتا تھا کہ وہ میری خلوت دل دس  
ہے۔ دوسرے کیا پڑی تھی کہ روزانہ بھی کی باتیں کیا کرتی۔





مسلح ایک ہفتہ کا سب رہنے کے بعد وہ اپنے خلیہ جنگ کے چھینے کو ہاتھ میں جلاتی کاٹی گیت میں داخل ہو رہی تھی۔ سر کے درخت سے غلط بیچ پھٹنے ہوئے میں نے ایک سر پہ اسے ایک بار پھر تپ پڑنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ گولی ہوئی میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اور زمین پر پڑے ہوئے آدھ بے سکر ہٹ کر کھینچے گی۔ جو میں نے اسے ادھر آتے دیکھ کر پیچھا کیا تھا۔ اپنے خلیہ احوال پر گلاؤں سے اس میں جھانکا اور بولی "ہو بیٹھیں بولنے تو نہ سہی" اور اپنے خلیے میں دو تھوڑا سا گولہ فلیک کا ایک ڈپ ٹان کر بیچ کر دکھایا۔ پھر میرے آئی تھی اور پھر چل دی۔ میں نے ایک نظر اے کو دیکھا اور پھر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں گولا دو خلیہ آگے پیچھے بھول بھال کر کھڑا تھا۔ "بھیکو سے کالے ہوتے ہیں۔ انھیں کالی ہوتی ہیں۔"

اس کے بعد وہ گائی آئی اس نے امتحان دیا وہ تھکی سی۔

بلے۔ اسے آؤ کی فرسٹ کلاس ڈگری تو لی تھی مگر ڈگری کس جس میں۔ وہ خلیے سے چھ دوپ ختم ہو گئے اور وہاں جو رہیں گذران کرنی مصیبت بن گئی۔ ہر روز پانچ چھ خلیہ ہاتھ سے لے کر یا تو سب کر دیا کرتی تھیں وہ دیر ایک ہفتہ دھڑوں میں پہنچا کرتا مگر یہ وہاں سے جب میں اس میں دو خیمیں آسا میں لگتیں اور پھر لڑائی سے پانچ سو گرنے لگے گولہ فلیک کا وہ ڈپ جو اتنا عرصہ سنبھال سنبھال کر رہا تھا آخر ایک دن سنا اور سکر میں ختم ہو گئیں۔ پانچ لے پھر لڑا کھلا کر کھتی کی تو کرنی کر دیں۔

میں نے سنا تھا وہ پچیسویں لے اور وہاں پھر کام کرنا لیکن میں کم از کم خیمیں بنا دیتا تھا جتنا تھا لے لے کر کرنی کی کتاب میں تھا جہاں ایک ٹیکہ لکھ کر میں میرا دفتر دوا میرے کھنٹی بجاتے ہی چھپا کر سے ایک چڑا ہی چلنا اٹھ کر دوا دیتی ہوا کر۔ لیکن ایسا نہ ہوا ایک آدمہ زور دیتا تھا میں ٹیکس خالی بھی نہیں لیکن ہاں گھنٹوں میں کر لیتے تھے جن اٹھا کر دوا نہ تھا۔ میں نے ایسی کو کرنی سے اٹھا کر دیا۔

جب قصیدہ ادا ہو کر صاحب قصیدہ ادا شعلہ ادا آ رہی اور خود کھٹی کے تمام دروازے بند ہو گئے تو میں ابھر کر کواٹھارہ دس منہ چلا گیا اور پھر دلوں کی تو کرنی کر لی۔ ان کی زمینوں کی آمدنی کا قلع خرق کر کے ہر روز لے کر سائیکل کو ایک پچھین پچھتا اس کے حال میں پچھتوں دیر یہ ہزار دہائیے اور وقت کا کھانا تیار دینا پھر کسی سب سے شریک تو ہم۔ وہ دیکھا کھینچے جانتے

تو کج کے کھنوں اور اپنے سزاوارتن کو ہر روز ساتھ لے جاتے۔ جب وہ دیکھا کہ کراتے جب بھی ایک ساتھ ہوتے اور جب پھر بھڑکا جاتا تو بھی اور جب وہ کھانے کھاتے اس وقت بھی ہم ان کے گرد کھڑے ہوتے۔

بڑے سا میں آکر کھڑی کرتے "اٹھی۔ اس را دن بڑی پیٹھ کھتے رہتے ہو۔ کھتا ہے پھر مزارعوں کے ساتھ لی چلا کر۔"

میں ان کی بات سن کر مسکراتا اور بڑی پیٹھ کھتا پھوڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ کئی مرتبہ ہی میں آئی کہ چاچا کو کھدوں کہ میں کہاں ہوں لیکن پھر خیال آتا کہ ہاں کو میری موت سے زیادہ مجھے پھر اور کراتے لئے کا دکھ ہو گا۔ کسی اور میری رات کو جب دھڑلے کی دھڑ بھڑ اور کھلی بار بار چلتی تو مجھے خیال آتا کہ اس رات کھائی ڈاکٹرنس میں چاچا پھر پھر کھلی کھلی حاش کر رہا ہو گا اور ان کو کھلی میں پھینچیں ہم دونوں کو دیکھ رہی ہو گی۔ گرتے میں کھنٹی چلائے کے ڈاکٹر رکھے ہوں گے اور چولہے کے پاس کھڑا کھڑا ہو گا جس کی حکم چولہے کی راکھ میں اندھ کی پڑی ہو گی۔ ماں ہر روز میری لائٹیں صاف کر کے جلاتی ہو گی اور میں کے پاس ٹاپا لے کر بیٹھ جاتی ہو گی جس میں دو سب کی گولوں کی بجائے اپنے آسور ہوئی ہو گی۔ ایک ماں نے مجھے بے چین کر دیا۔ وہ بڑے سندھ کے کمرے کی بی بی پتی زنگی مجھے شدت سے اپنا وطن یاد دلاتے تھی اور شہانے تاپورہاں کی تو کرنی چھوڑ دی۔

حیدرآباد کے اس ہسپتال میں مجھے نرس لڑائے ہوئے آج آٹھ سال ہوئے ہیں۔ نرسین چلیاں ششہ سوئی دھاگے اور ڈاکٹر دوا دیاں نرسین اور آج چلیاں میری زندگی کا جزو بن چکی ہیں۔ پر پچیس میں اس وقت میرا کیوں اس تو کرنی سے بھی بڑا دور گیا ہے۔ مکمل رات سہ رنگ کی ایک فرنیچر سوئی کا دارا کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔ نرسین کو ستر پچہ پڑا کر چنگ پر لٹا گیا۔ ستر گھبرا ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر صاحب کو بی بی بڑی قیوں کال لائی۔ دس کر مر رہی کو بچا لینے کی التجا کر رہا تھا۔ میں بے کوئے میں چل کر ستر لٹا لٹا رہا تھا۔ میرے ساتھی نے قریب سے گھڑتے ہوئے کہا "ایک آدمہ مصیبت۔"

اپنے اپنے کمرے کو دروازے کستے ہوئے میں ڈاکٹر صاحب کو بلائے چلا۔ نرسین کے قریب سے گھڑتے ہوئے میں نے اس مصیبت پر نگاہ ڈالی۔ وہاں کھٹوم پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور بال کھٹے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ وہاں تھا۔ بوٹوں کی مٹی کی تو تم تھی اور وہ



آؤ کبیت چار سو چائیں۔ جب دوبارہ اس سے خوش مست آکر چلی بھی گئی ہوگی۔  
 اٹھن نے مثال پے سے کھینچ کر کہا۔ "نہیں بھئی اھو۔ اب میں تمہیں سوئے نہ دوں گی۔"  
 ٹھنڈی ہوا کا ایک بیز چھوڑا دھندلاؤں سے اندر کھس آیا اور ہر پڑپ نہیلا نہیلا  
 بڑے لگتے۔

"مزمزم ہمارے ساتھ ہے۔" اٹھن نے مسکراتے ہوئے کہا اور اسے پھر پشال اور حاوی، خود  
 اٹھی۔ صلیب کو گر بیان میں لال کر سیر سے باہر میں برش پھیرا اور پھر اندر سے الہ دوازہ وصول کر  
 چوٹھ سے ٹپک کر کھڑی ہو گئی۔ سامنے ریٹ سے کیلا "مہانا" کو کھول دیا تھا اور ہاں ہاں مسعود  
 کو کندھوں پر اٹھائے بھاگا آؤ تھا۔ ہوا کی چھوٹی مسود کے سر پر بھی اوہاں کا نہیں مسود کے  
 گرد لپٹا دھاوا اٹھن نے متاثر ہو کر نظروں سے اوجھار دیکھا اور لپٹ کھینچنے لپٹ چھا۔ "جہاں سے  
 دیکھیں میں سارے اوہاں اپنے پٹوں سے کیا اسی جہاں کر رہے ہیں۔"  
 "ہوں۔" ایک کبیت کے بچے ہاتھ پھر کر سرگرم کھسٹا اور باجلائی جا کر کہنے  
 لگا۔ "یہاں سولے سے جاتا ڈیڑا ہزار ہوتا ہے۔"

جب وجہ نے سر کے اشارے سے اپنے پاؤں فروخ چپ چاپ اس کے فریب  
 آکر چار پائی پر بیٹھ گئی اور ہر بری ہوئی ڈھٹاٹ، بڑوں اور اپنی اماں ڈکھوں میں جلاوے  
 دیتی ہوئی سرکش کرنے لگی۔ "اب یہی ایک دن غم انگیز آئے تھے۔ مادے نصب پر کھڑی  
 جاؤ یہ پڑھی ہوئی تھی اور مثال میں زور کا طوفان اٹھو دیا تھا۔ اس دن غم و خواہش اور اپنی چاہ  
 رکھنا کہ مجھے ڈو گئے اور میں اپنے کمرے میں سفید ہوتی جا کر بائیں چم کر کھولوں اور پھر  
 اسے اپنے گھڑیوں پر اہل کر سب سے بچنے لگاں کہ اگر اس خوف میں ڈرا سا اضافہ ہو جائے تو سب سے  
 کتنے پادے ہو جائیں گے۔

... اور پھر ایک دن ہم جہاز میں مسود نے سنے جو بہت سی انگریزی مصنوعات اور  
 ہندوستانی طالب علم لے کر تھیں جاؤ۔ اگر اس دن میں جہاز سے ساتھ نہ لے تو پتہ نہیں تھا کہ  
 کہاں ماہرے مارے پھرتے اور اب جبکہ میں پہنچ گئی ہوں مصلوب میں میرے ماں باپ کس  
 حالت میں ہیں۔ دیکھنا میں بہت گواہوں۔ بیکوٹاں... وہ وہی گواہوں کی گواہی دے گا۔ ہاں کی  
 شرف پور میں جنہیں اس نے ابھی لایا تھا اس کی آنکھوں سے برتنے تھیں۔ وجہ نے کچھ کہنا  
 مناسب نہ سمجھا۔ ایک منٹ کے لیے لگا ہوا دھیرے پھر کر اس کے سر سے ایک لمبا سن لگا دیا۔

"و کھول یہاں کو پھر رکھا ہے۔"  
 مسعود نے تھوڑی سی حراست کی نوبت پانے اپنی جیب سے گولی نکال کر کہا۔ "اچھا نہ  
 دکھا۔ ہم گولی نہیں آ رہے۔"

گولی دیکھ کر مسعود نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پانے ایک گولی باہر نکال کر مٹھی  
 کھول دی۔ ہاتھ ڈول اس کے ہاتھ سے لے کر جسم کے بڑھتی کبیت میں پھینک دیا اور مسعود کو  
 پتہ چلا کہ پانے کر ڈیڑا۔ "بہا اسے جیب میں نہیں رکھا کر سہ۔ سید ہرے ڈیڑا۔ اسے پاس رکھو  
 آدمی مرے گا۔"  
 "جین کی دوا ہے۔"

"ذہن کی بات چھوڑ۔" اٹھن نے ہاتھ نکال کر کہا۔ "دو روکت ہے پورے مسودا۔"

چودھری مسودا دھندلاؤ۔ سید ہرے صرف مردوں ہی پر اثر کرتا ہے۔  
 مسودا دھندلاؤ اس کا مطلب کچھ نہ تھا۔ اس نے ہتھ دھکا کر کہا۔ "اچھا اگر میرا کا جوس  
 پھینکا جے تو مجھے بھی گولی نہ ہو۔۔۔ پس کینہ گولیاں اوں گا۔ میرا کا روزن اسنے سوچا ہے  
 تھا۔" اس نے ہاتھ پھیلا کر روپے چھوٹے جیب میں سے ساری گولیاں نکال کر  
 اس کے دے دیں۔

"پڑھیں اسٹیل پڑھیں اسٹیل!!" اٹھن نے وجہ کے کمان کو مضبوط کیا۔  
 "آؤ کبیت سب سے سب سے۔ اپنی بیلوں کی آواز میں سننے ہو اٹھی باؤں ہوگی۔ دوسری دہائی میں مل تھیں  
 اور چلے گا۔ الفو پٹلی کے گھڑے ۱۹۱۲ء چائیں۔ اگر وہ آؤں میں بھوکا ہوا شام کر جائے گا  
 اور پھر دیکھنا نہ ہوں۔۔۔ لو اب اٹھیں۔ گدے کے لیے اپنی ہریکٹس ہار کر چھوڑا۔"

وجہ نے گل ہال میں آکر پوچھا۔ "پھر دیکھنا نہ ہوں؟" کہا۔  
 اٹھن نے جواب دیا۔ "نہیں۔"

وجہ نے اسے دودھ سے کھینچ کر کہا۔ "کچھ تو ہے۔ اچھا جب تک تم ہمارے گلی نہیں ہم  
 چھوڑیں گے نہیں۔"

"نہاں کی قیامت آئے گی۔" ہاتھ پھینک کر کہیں کس استاد نے مین پڑھاؤ کر  
 چھوڑ کر کھنٹوں سے دودھ لیس چھوڑ دیا۔

"کھنٹ کے شام میں آئے گی اور جب اس کا آؤ گا۔" می ہے تو ہر مزدوریوں کر ہیں۔

اس کا منہ حاشیہ نیلیا، لیکن وہ بلی بلی سسکیوں سے وہلن کا جسم چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے کھانے لگا تو وہ بعد سے سگریٹ سے بے چنگ کران کے چہرے سے سترے ہوا دل کو دلچسپ بنا کر دیکھا۔  
خدا کی جگہ سے اس کے گوشہ مخم سے صبر کرنا کہ کی پھٹک پر راسی دبر کے لیے عظمیٰ نے پھر ان کی کھانے کے گرد لیٹی، دلی سونے کی دلچسپی کے حلقوں میں جذب ہو جانا۔ اس نے ایک دم اسے اپنے ساتھ لے کر لہرا ران سے کھنکھاتے پر غمزدی گزار کر لے گیا۔ "اچھا! اچھا! ہم انکڑن نہیں گئے۔ چاہتے ہیں گے۔" اذنی سے ملیں گے، انہما سے سبیل کو مٹانے کے لئے نہیں گے۔ "لیکن ابلیں کی سانس میں چھپوں کا اضافہ ہوتا گیا۔ اس نے دلی جواب دیا۔ اس کی سانس سنیں، یہی دلی۔ پھر وہ بعد سے کچھ نہ کہا، چاقی گرفت سخت تھی، اسے صبر سے خاکہ زراعی حدود کی بھی اس دن سون کے راستہ میں اونچا پہاڑ بن چکا تھا۔

... اور ایک منگہ اندر ہوا: ایسے ہی پائی پائی ہوئی رہی۔

ابنا اچھا بھلا لگتا ہوا منہ چھڑ کر پاؤں چار پائی سے دے پاؤں اٹھا، سجاد جولا ہے کے گھر پر سرکش میں شریک ہو گیا۔ لیکن وہ نہیں جن سے وہ چاہتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ دے پاؤں باروں کی کھل میں بیچا نہ تھا۔ کادو نہ لیا۔ "چاہتا ہوں کہ یہاں کی پینٹ گما کر بہت پریم ہو گا اور جب تیرے ساتھ ایسی مٹی ڈالی ہو کہ نہ لگتا ہے، "ختم خزان شریف کی مجھے تازہ آجاتا ہے۔"

چاہا لے گیا۔" اسے چاہیئے اگر کیا جائے بیچے کیا ہوئے ہیں۔ ذرا اپنا منہ تو ڈھونڈنا، مٹی دلی سننے کے لیے۔"

سائیں نے کہا۔" چاہیئے بیچنا ہے، بیٹا۔ اور پھر اس کا دماغ ختم چار یہاں دیتا ہے یہاں اس لئے ختم ہے چاہتے ہوئے سجاد کے گھر۔

و چاہنے اپنے ساتھ چھپے ہوئے سجاد کو چھوگا: "میں نے پھل شیخ نمازی بڑا جیپ کیوں سادہ دیکھا ہے۔ گیارہ بیچنے کا سوت دینے کی چنگ مار لی؟"

سجاد نے ہنسا، دلی کی منہ بال کے گرد ہاتھ کرنا کہ کہا کھینچا۔ آگاہیں بند کر کے دھواں چھوڑ دے، وہ نے ایک دھڑ پھر ہنسا، چاہے کچھ لگے۔ "حضرت! اسٹارو دلی فنی تھ اور اگر نہیں تھ تو معلوم ہوتا ہے اسے کبھی کسی دیکھی سی سے پاؤں چھوگا۔"

سائیں نے کہا: "ختمی ہے، پوندے والی سب کو دلی بنا دیتی ہیں۔ ہم بھی ان کا چھوڑ کھاتے ہیں اور کی پھلا دے دوں گے ان کے دین ہے۔"

و چاہے کہا: "ہاں ابلیں نہیں ہوگا، پر میں نے تو اپنے سادے۔" وہوں کو گل بند و س پیٹہ ہونے کی دیکھا اچھے اچھے دلی خراب سے صوفی ہو کر دے گئے۔ لیکن شاید انہیں اللہ تعالیٰ ہی ڈیپا ہونے پر نہ تو دیکھا نہیں۔"

ان نے کہا تو بہت ہنسا، اسے خبر نہ تھی کہ وہاں فحش ہوا گیا۔ جب صوبوں کے بھائیوں نے سائیں کو ممر نائن کر چٹا خوار اس کی بیٹی پکھوڑتے مار مار کر پھینچے تھے۔ "کیوں سائیں! اصولاً دلی میں روشن ہوا؟"

چاہا نے چھٹ دھت ختم ہو کر کہا: "اے اپنا آپ ختمے چار رہا ہے۔ چاہا کے گدال سے فحش کھلا پھر آجینک میں۔" ختمے دھت پچا بھی نہیں آتا۔۔۔

سجاد نے دے گئے: "کہا: "جب یہ کس شخصیت ہے تو ختم ہے یہ کرنے والے کی کہ میرا کچھ سنگلے لگتا ہے۔۔۔ اس کے اذنی نے بھی نہ کھینچے نکالنے کے چار بار دلی میں ختم بیٹے والے کردوں سے ملتا ہے۔ ابلیں دھت کی بات ہے، دلی کھینچے، ہاتھ مارا اب کہ کبیت ہو گیا۔"

سجاد دلی جواب دینے لگا والا تھا کہ چاہا نے آہستہ سے کہا: "بنا چھیری کی مجھے بھی پسند ہے، مگر سلی کے بھونری ہے۔" اٹھتا ہے کہ کھینچ دھت لے رہی ہے۔ سلی سے اس کے دل چڑھی ہوئی ہے۔"

سجاد نے کہا: "ہا چاہا! مٹی مارا کی چھیری کے۔ میرے گھر چاند سا رہتا ہے۔ بھونری دلی بھونری لاکے۔۔۔ ہاتھ اٹھا کام نہ کرنا۔"

سجاد بولا: "چاہا بات خوش نمازی کی سولہ سے کھری بند۔۔۔ بڑے صاف جی بھی کہا کرتے تھے کہ بھونری والا صوفی بڑے کھت سے گد جا لے تو کال پر چاہا سے اور یہ تو۔۔۔"

و چاہا نے جواب دیا: "صحبت تو کیا ہے۔" صوفی یہی بات نہیں مانتے گا اور اس کی دور مہم روتا کی دلی خول میں اعتقاد ہی نہیں، کبھی دور، لیکن کتا اس افشاں دلی رہتی بیٹھا ہوں۔ اسے سمجھا رہے ہیں مجتہ نہیں۔"

"پاکل اپالک! "سائیں نے پٹا مانا۔ "چاہا جیسے ان بھگروں کے دھت صاف ہونے چاہا دے ہی ان کے دل۔"

چا چاہے سن ڈان سن کر کے کہ "کلیا جیج میں مسخو جو کچھ چھان کر کے کافی کا گلاس بلا رہا تھا کراہی سے ہنسی مٹی اور رنگ کر دی۔" "ہاں کیا کرتے ہو، ماہو میں دودھ پئے گا۔ اسے اور کچھ مٹا کر دو۔"

"لو شیخ! یہ کافی بھی اسی دھند ہو گی، ضرور پشتر اس کے کہ شیخ جی! واجب دینے چاہئے مگر بکرا تو شو رک گیا۔" "پتہ نہیں اٹھتے سال والا ہے، تو مگر یہ دودھ پیے کا دیا کیوں دیا، میں نے تو ڈاکڑی پر دینے بھیجا تھا مگر وہ دینا بچان کا، بعد ازاں اس کے آگیا اور بھی ایسی چھانت کر ڈالی جسے سوئے ڈالنے سے الٹ چلنے کے دوسرا کام تھا میں، بھل میں نہ دھید سے کہا کہ گھوڑی کو بچو دینے تو ان دو چکے تھے، اسے پھر پھر ان کو ایک بچا دو دے دے تو پیسے پادے تو جائیں گے، رو بھی پاس تھی، چیلہ اٹھری ہی میں اس سے کچھ گنت پٹ کی۔ پھر بھٹھے سے کہنے لگی۔ "دیا ہاں اسے کرنا، دھمی اسے ایک سال آرا دوں گے، پھر اچھا چلے گا۔" "میں نے کہا، "مسنری حیات کو بھلو اور بھجو کر اس کے لیے ایک چنگ بھی ملاو،... اور اس کے دھمنا کہہ بھی کیا سکتا تھا سا نہیں؟"

"عجب الجھب! "اسا میں نے حق پہنچنے دوئے لفظوں کا انداز میں بولا اور دیر تک اسی طرح ہلاتا رہا۔

اس دن جب دھندوں کے کچھ بڑے جینے گھوڑوں کو محبت میں چلا رہا تھا تو امین نے سامنے پہنچنے والے بے شکایت کی کردہ بڑا دھکیلی کے چا کب تک تاپے حالانکہ اس کی رفتار آجالا سے کہیں تیز ہے، دھمنا نے کہا، "مہر بگ بڑے منصوب ہوئے ہیں کہ وہ بڑاں کے علاوہ دھندوں کو پاس بھی غلام کر لیں گے، میں حالانکہ غور سے انھیں اندھیری راتوں میں چھڑے ہوئے دوڑاؤں کی لہروں میں کیچے گھراؤں پر تیر لٹے آتی رہی ہیں۔"

دھند نے غبار ادا دی، مگر گھوڑوں کی راس میں کھینچنے لیں اور منجھو ہو کر پورے جسم میں کس نے تپا ہاں؟

"چلو اچھا! "امین نے دھند سے اشارہ کیا۔ "گھوڑوں کو نہ دوکر، میں جھیں ماری کہانی سنوں گی۔ پھر نرمی فیصلہ کر، مینڈول بہادر دھند، موسیقی کو کہانی سنالے، اہل شاد سے آخر تک مینڈول میں کی غریب کرتی، ہی مگر میں اب نہیں سمجھتی۔"

امین نے اپنی کمر پہنکے، دھندوں کے بڑے نوچ کٹھنوں سے سونہری کی کمروں کے کٹھن اپنے سر پر تھاپا اور کہانی سنالے، مگر دھند نے رات کو کہی گئی، گھوڑوں نے قدم چنے گئے اور دھند کی تیز رفتار دھندوں میں آہستہ آہستہ شاد کرتے نہیں، دھند چلنے چلنے جب کبھی تھل کا پاؤں کسی اور جگہ پر آ جاتا تو دھند کی طرح ایک طرف جھک چلی اور اس کی گھوڑی کے پیچے بیٹ کا تھلواؤں، دھند بھگڑے سے لے کر دھند بھڑے اس کی گردن پر بیٹھ گیا اور اس کے خاکسار بنی، بہت جلد میں اس نے اپنی خاؤں پر انھوں نے کئی غمی چڑھ کر مرنے اور پوچھنی داستان عشق میں سکیاں بھرنے معلوم ہوئے، چڑھی ہوئی آہستہ سے دھند اور شباب باز دھند کی کئی سی سے شوقی دور سے بچے، جب امین تھل کی تانگی نو دھند نے اس کو کہہ کر اپنا داراں کاں کھڑے ڈاؤن پر ڈال دیا اور ایک آنکھ کھلی کر دیکھنے لگا، "یہ سب کچھ دھند لیکن تم نے مرزا کی دروازا الفت بھی کی؟" "حق محبت کے دیوارے دھند توں کی الفت پر جسم غائب آگیا اور دھند سے اس کی بھول ہوئی جسے آغا تک سب تحریر کی گئی تھی، دھند نے دھند اور دھند کے بے کٹھن سے اب مطلق کا نزل بند کر گیا۔"

امین نے کہا، "دارنگ! مجھے یہی نہیں، دھند... مجھی اس فتنے کو شاد کر دو، میں تمہارے سر پر مٹا دیتی ہوں۔"

دھند نے راس میں سبیلوں اور گھوڑوں کو چلنے کا اشارہ کیا لیکن ابھی انہوں نے پہلا قدم اٹھا یا تھا کہ دھند کے خواب غم کے جاتے تھیں، دھند نے دھند کے آگے بھی دھند کر دی گئی تھی، "دارنگ!... دارنگ!... دارنگ!..."

انہوں نے ایک دم سڑ کر پیچھے دیکھا، غم کے پاس ایک بڑی سی خوبصورت کار کھڑی تھی، وہ اس کے پاس دو تھیں اور کئی کئی تھیں، دھند نے کہا، "ہے، دھند کھلے بڑے نوکر اٹھا، امین نے اپنا بیٹ بچھ کر اور دھند کا تیز بیٹو، انھانے نہ کہ نہ پہنچ گئے۔

مسرو نے انہماک سے پہچان کر کہا، "ڈیٹی کی ان کا صوبہ خوب ہو گیا ہے، غم تم کہا کر،..." اس پر مسکراتا ہوا ایک گھر جا کے بلا دھند اس نے کہا، "میں آج بڑے ہے، میں اس علاقے کا ایکس ای این ہوں۔ اس وقت دھند سے جا رہا تھا کہ مسروں کو کچھ ٹوپی ہوئی، دھند نے جھک کر دھند ہے،... دھند نے مسروں سے لہجہ میں پوچھا، "کچھ دھند شاد کر دو۔"

دھند نے اپنی بیٹی کا تعارف کراتے ہوئے کہا، "یہ امین ہے۔ اس کے والدین دھند



بڑے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے آپ لوگ کاشت کرتے ہیں اور شاعری زیادہ۔"

ایمن نے جھومیں، پر اضا کر کہا۔ "بالکل بالکل ایہ بہت سست ہیں۔ دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ میرا دل کٹھن چاہتا تھا کہ یہ اپنے دل کو حرج پر پہنچاتے اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے۔ مسٹر بڑے صبر کا خاندان ہے۔ تو کی، ایمن ہیں اور بچے اسے پیش کرنے کے زینت سمجھ کر آؤنگا۔ میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ہمارے جب ایمن مل پر بیٹھے گھوڑوں کو باغ کرتے دیکھتے ہیں تو انھوں نے آؤنگے کی کر دیا جاتا ہے۔ اس کا اس دنیا میں سوائے اس بچے کے اور کوئی نہیں۔ اپنی آؤنگے زینت کا بیشتر حصہ ہی کر اس نے آؤنگے، لایہ بہت بچا۔ ان کی خوشنودی کے لیے اچھے سے شادی کرتے کی اجازت دی، اور جب یہ تعلیم سے فارغ ہو کر لوٹے تو فوری سے انکا کر کے پاؤں کے ارمائوں کا ٹھون کر دیا۔ اتنے سے اس جہ کی پیشہ کو بننے سے کالیا۔ لرق صرف اتنا ہے ہمارے بیویوں سے ملی جو تھ تو تھ گھوڑوں سے کاشت کرتے ہیں۔ پتہ نہیں آؤنگے۔ پہلے تو یہ میری پر بات دانتے تھے ہا۔۔۔۔۔"

"اب بھی دانتے ہیں ایمن اب بھی۔۔۔" دینے نے متعلقہ ٹکائیوں سے اسے دیکھ اور معذوری کے تاثرات پہ آرتے ہوئے بولا۔ "ہمارے ٹکری نہیں ملتی اور پھر وہ بھی ٹکری حتمیہ پہنچے ہمارے کہاں! اب تو کچھ خبر ہو۔ والی ہے اور بھرتی بھی بند ہے۔ جب ایمن ٹکری ملے ضرور کریں گے۔۔۔ ہمارے ہمارے۔"

بڑے کہا۔ "یہ بول کے دل میں جی چاہا، یہ چاہی تھا کہ میں لکھ رہا تھا انھیں پرہیز کرنا ہی چاہیے۔ ہمارے متعلق یہ کہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ خود گھنٹے ہمارے سے کوئی دلچسپی نہیں لگتا۔ آپ کی سسر کے دوسرے میں میں نے خبر دی کہ انھیں ملنے پہنچنے کے لیے ہمارے سے اور متعلق لایہ دیکھیں۔۔۔ اور آؤنگے آپ کو گویا ملی ہے سنے مسٹر وحید۔۔۔ تو آپ کریں گے؟"

دینے نے دھڑکی سے کہا۔ "کیوں نہیں؟ انھیں وہ ٹکریں کہ میں نے ملاتی ہیں۔"

گرا۔ "بے ادب چہرہ کی ایک چھوٹی سی ٹکری کی طرف اشارہ کر کے بڑے نے پوچھا۔ "کیا ہے؟"

ایمن نے جواب دیا۔ "یہ ہماری سمجھی ہے۔ جب ایمن کا کوئی پر خراب ہو جاتا ہے تو چھڑکے کے ہر اتر جاتے ہیں تو ہم یہاں ان کی مرمت کرتا کرتے۔ آئے ہیں آپ کو ان

کے ساتھ کی گئی ہوئی ٹھنڈی دھواں۔ ہم ٹھنڈی بھی خود ہی کیا کرتے ہیں۔" بچہ بڑے ہوئے دینے نے کہا۔ "کسی گھوڑے بڑی مسیت ہوتے ہیں۔ آپ کے ہمارے یہ مرل بھی کئی کئی دنوں والی گھوڑی دیکھی ہے، ہم آؤنگے تک بغیر پرانے کے اسے ٹھنڈی لگا سکتے ہو وہ اسے کراؤٹ مل بخار دہرے گھوڑے اس طرف سے اٹھا کر رکھتے ہیں جیسے ہندی لگا کی جا رہی ہو۔"

ایمن نے کہا۔ "ہاں کی گئی پر ایک ہفتہ سا ہے۔ وہ بڑے اچھے اسے گھوڑے کی دم کے بال سے کاٹتے ہیں لیکن وہ بچہ ہمارا ہوتا ہے اور یہ ہے ان کی ڈاکٹری کو ان کرتے ہیں؟ سو! جس صبح ہوا اپنی کئی کھول کر بیٹھ جاتے ہیں یہ پاس آ کر پوچھتا ہے۔ "ہاں ہاں لاؤں۔" اور پھر جواب کا اٹھا کر دیکھے بغیر ہاں ہاں اور لپٹی کی دم کے بال ہیں تو بچہ ہے جیسے ہمارے چڑھی میں ٹھیک ہوتا ہے۔" مسٹر ٹھیک ہو گیا، ہر زمان سے بچہ ٹھیک کا مدد کر کے روانہ ہو گیا۔ درخت سے بندھے ہوئے موسم چاہے میں سمجھوں کہ وہ بچہ ٹھیک ہیں آگئے۔ ایمن نے کہا۔ "ایک تو میں ٹھیک گئی ہوں۔ دوسرے شاید تمہارے نوکر ہو جائے کہ بعد سب کچھ مجھے ہی کرنا ہے اس لیے کیوں نہ میں ہی کلچر بڑھانوں۔"

جب مل چلا اور دینے کناروں والے تو بچے گھوڑے لگے تو دینے نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "پاس تو میں کہہ رہا تھا مرزا اور رضا کہاں ویسے لگے۔ دو دن اس دن میں ابھی اور بہت سے لکھی مجھوں اور دینے جو لیر پیدا ہوتے۔"

مسٹر دینے بھر سوار ہوا تھا اس لیے اب ہمارے ساتھ کی چار پائی پر لٹا کر اسے لے کر سوال کر رہا تھا۔ "ہمارے ہمارے رات کو کیوں گھٹتے ہیں۔ دن کو کیوں نہیں گھٹتے؟"

"دن کو نہیں گھٹتے چنانچہ۔" ہمارے نے بھکا کہا۔

"مسٹر دینے کہا۔ "اچھا۔۔۔ ہمارا ہمارا کیوں ہے سچے ہرے کیوں ہیں؟"

"سچے ہرے ہی ہوتے ہیں ہمارے۔" ہمارے نے خاتوا کا قاعدہ دیکھے بیان کرتے ہوئے کہا۔

مسٹر دینے بھر پوچھا۔ "ہمارے گھوڑے ہرے کیوں نہیں ہوتے؟"

کنا جو چار پائی کی دو دن کیسں رہا تھا زور سے ہنس پڑا۔ "جو ہوا ہی گھوڑا، ہر اکیسے



مسعود نے خوش اس کی طرف تیرت سے دیکھ کر ڈوبنے کا حکم کر کہا۔ "مطلقاً جیرو۔۔۔"  
گاتر کھنکھنایا پھر لڑا گا۔ پھر چلا۔۔۔ جاگے اپنی بیوی کو۔۔۔"

ایلیٹ کو شام سے خدا اٹھنے کا یہ تھا۔ اس شام کو وقت ایسے گھن گھن جیسے سفیر برقعہ حریف  
دھڑکرتی پڑا ہوا ہو۔ "یارا، یارا، سرا، ہا، ہا۔۔۔" لیکن یہ شام تو اس سے بھی سانسو کی لہجہ کی چوڑی پر موثر  
چلائے ہوئے اس نے وحیہ گویا کہ جس کی گویا سنی میں اور اٹھنے میں سے سانسے کچھ رہا تھا۔  
اس کے ہاتھ اس کی گود میں پڑے تھے اور اسے گھٹکی ایک ہی جگہ گھٹکی کا پاندھے کچھ بھی نہ دیکھ رہی  
تھیں۔ چھوٹے کو رانم دار ہو جانے سے ہاتھ کے اڑیں ہاتھیں ہر گھٹکی کی گھٹکی اور اسے پر  
ایک سوٹ بھر سنے کی کوشش کر رہی تھی مابین اس کے کان کے پیچھے ڈھونڈا ہوا حسرت میں دیرینہ  
زخم کا آئینہ چھوڑ سانسوں کا دیکھ۔ چھوٹے ہاتھ میں اسے تھے اور جس کے درمیان بہت سی باریک  
باریک جھریوں پر تھیں۔ ایلیٹ نے پیچھے ہٹ کر دیکھ کر اس لیے یہ اسے بہت ہی عجیب سا  
لگا۔۔۔ جب دیکھا اپنے خیال سے کہ کونسا تو ایلیٹ نے اپنی ہاتھیں اور ایک لیے ہوئے۔ تو اس راستے پر  
جدا دین اور اس کی طرف سے ایلیٹ نے پیچھے کیا تھا اور ایک ہی گھٹکی میں۔

ایلیٹ کی بے جا ہوشیاری، سزا کی کاغذ اور کڑوا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر وحید سے  
مصلحتی کیا اور اپنی قوی اتار کر ایلیٹ کو سنا دیا۔

وحید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مخوف کیجیے کہ ہمارا جلدی آگے۔۔۔ ایلیٹ کا کاغذ تھا کہ ہم  
وقت سے پہلے بیٹھیں۔ آپ کو شہنشاہی دینے کی وہ ہمارے دیکھ کر کہہ سکتے۔"

اور ایلیٹ ماسٹر نے دونوں ہاتھ دلا کر کہا۔ "اس کی پٹھان ضرورت نہ تھی۔ آپ کا  
پٹھان ہی میرے لیے کافی ہے۔ لیکن آپ پہلے چلے آئے تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔"

وحید نے ماتھے سے تھپ تھپ سیدھا چہرہ ہلاتے ہوئے کہا۔ "عجب! عجب!۔۔۔ ایلیٹ کا تو  
خیال تھا کہ یہ مجھے اگلے ہفتے ہی چھوڑ آئے۔ لیکن میں نہ مانا۔ اس کی سمجھ نہ کیجئے۔ دن بدن کمزور

ہوئی جا رہی ہے اور پھر ساتھ میں اس کی ادا ہو گئی۔ ایلیٹ نے سیدھا لنگن حال ہو جاتی۔  
ایلیٹ ماسٹر نے کہا۔ "ہینک! ہینک! لیکن جب تک میں یہاں ہوں آپ کو ہفتے میں  
بارہ گزنی گزارنے کا خیال بھی نہ لانا ہے۔ کیا ہو گا اور تین مہینے میں ڈیڑھ مہینے ہو گئی۔

آپ نہ طریقہ دیکھیں۔ میں نے یہ ایک مہینے سے کہہ دیا ہے کہ دو آؤں سب کو نہ دے اور تو اس بھی

دو شامے پر اس اعزاز سے کہنے کہ اپنا نہ سکتے۔"

وحید نے سر ہلا کر کہا۔ "بہت خوب ایساں مجھے دو شامے یاد آ رہا ہے کبھی۔۔۔"

کنٹرول کی گھنٹی بجی اور ایلیٹ ماسٹر معذرت چاہتا ہوا اندر چلا گیا۔ "خود ہی دیکھتے  
کمرے سے باہر کسی بھی سے ساتھ ساتھ گھنٹی کی آواز آتی رہی اور پھر دواں پر ہاتھ پھیرتا ایلیٹ  
ماسٹر مودار ہوا۔ اس نے سب کچھ بے غیہ ہاتھ سے "ہوہوہ" کر کے تاپا کر سبیل پہلے ہی ایک گھنٹہ  
لیٹ رہی ہے۔

جب ایلیٹ اور وحید کو کچھوں سے ڈرا کر کہا۔ "مہم میں غما کر ایلیٹ ماسٹر وہ ہر تھے کاتر  
اس نے دلخیز پر چپکے کھوکھو کر دیکھ سے پوچھا۔ "مخوف کیجیے گا۔ میں یہ پوچھتا تو جوں ہی گویا کہ  
آپ اس طرح چاہتے ہیں کہ ایک ہی کیوں چاہتے ہیں؟"

"ماسٹر صاحب۔۔۔" وحید کا کمر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے بتایا کہ سے سگریٹ کی ڈیبا کافلی  
در دروازے پر پہنچ کر ایلیٹ ماسٹر کے کندھے پر ہاتھ کر کر لیٹے سے کہا۔ "ایک مہینے ایلیٹ" اور  
باہر لڑک کر لڑا۔ "تکڑا سے جیرو امیری خدا سے مصلحتی ہیں۔ اعتراف کے کوئی ہوشیار نہیں ابھی  
بہت سے ایسے مہینے ہیں جن کا آپ ہیشٹن میں ہو گا۔ سبھر گز دور حسرت قلب بلند دہانے سے مر  
گئے اور جن مہینوں کا آپ ہیشٹن ہو چکا ہے ان کے عداوت کے لیے کوئی موجود نہیں۔ فی الحال تریس  
اور دوسرے ڈاکٹر ان کی دیکھ کر بھال کرتے ہیں۔ مجھے سیدھا سمجھا کہ ایک دے کر سمجھا ہوا ہے۔  
میں وہاں جانے سے گرتی نہیں تو آخر میں بھی میں ہوں۔ ایلیٹ کی خوشی اسی میں ہے کہ میں علی  
چھوڑ کر ایک بار پھر ہیشٹن سنبھال لوں۔"

ایلیٹ ماسٹر نے تھوڑی سی دواں دواں مہینوں میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ "یہ تو بہت اچھا ہے  
ڈاکٹر صاحب! مطلق خدا کا کام ہے وہ آپ کی شہرت۔"

وحید نے ایک لہجہ میں چھوڑ کر کہا۔ "ہاں شاید کھانا اسیا ہے۔"

پھر دواں دواں کمرہ کمرہ کے سب ڈاکٹر مہینے کی۔ یہ پوچھ رہا تھا ایلیٹ اس کے پاس  
لیے پٹھان پر تھیں رکھے تھیں۔ اس کی ایک گھنٹی میز سے کوئی پٹھان اور سرام تھا کمرے کے پیچھے چچ  
پر کھانا تھا جس پر اس نے اپنے سارے جسم کا بھروسہ ڈال کر کھا۔ مگر جان کا دواں دواں مہینے خلا تھا اور  
گلے کی گھنٹی گھنٹی کیس مر مر میں چلے میں چھوڑوں کے ساروں کی طرح خاموش پڑی  
تھیں۔ کپڑوں سے اٹھے ہوئے منہ سے ہاتھوں کے لچھے آہستہ آہستہ سانس لے رہے تھے اور







۱۰۔ یہ بازی امت سر پر کھڑی تھی۔ باور پکا نہ میں جاؤں اس نے ایک انداز اٹھایا جائے تیار کی اور اٹھیں گے پاس کے آجے خوشہ دل اور دستوں کے بعد اس نے تھوڑا سا اٹھکایا اور ایک محسوس چمکے پانکر ہوا۔ کبھی پھر اسی طرح لیت گئی۔

سات پھر دل چھانے ہوئے تھے اور درگس بارش بھی ہوا تھی۔ باہر سرفی خندہ کی بڑھوں پر مینا طبل کے روشنوں میں ٹپکی ٹپکی روشنی دیکھ رہا تھا۔ گھبراتے اس کے ماتھے اور کالوں پر پھر اس کا ایک سیلاب انداز تھا۔ اس طبل کی دھڑکن جسے تو گھور سے دیکھتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں پر لورہ یا اور جووں کے درمیان بہت سی ٹپکیں ڈالی کر اس نے سوچا اگر اٹھیں کو کچھ دیا تو... لیکن پھر اس نے فوراً اس محسوس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دیا اور اٹھ کر آہستہ آہستہ اس طبل کو چلا۔ دروازے کے دہریہ ہوں والے کھلنے میں مسوور ہوا تھا اور اس کے نیچے ٹپکیں اور سرخیاں ٹپکی تھیں۔ ویلیر پر اجالہ کی نگہ مری چلی تھی۔ ہاڑے آہستہ سے اٹھ اٹھ اور پھر کھنٹی پر ڈال دیا۔ اندرونی کھڑے منداغائے خاموش کھڑے تھے اور اپنے کالوں کو ہر آنے والی آہستہ کی طرف تیزی سے پھرا رہے تھے۔ پناہ کے بہت سے ٹپکیاٹن کے بالوں اور کالوں پر چپکے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اس کی جگہ کی طرح چل رہا تھا۔ ہاڑے مسوور ہو کھنوں ہولے سے نکلیں کر اٹھ کر دیا۔ کھنٹی سے نکلم اٹھائی۔ اجالہ پر زمین کی اور رات کے اندھیرے میں اس پر سوار ہو کر شہر دیا ہو گیا۔ سرخیاں گر کر گئیں انھوں نے جھٹکے جھٹکے کی اور پھر خاموشی سے اپنا اپنی جگہ بیٹھ گئیں۔

کوئی نرم ڈانٹر یا مسوور اس کے ساتھ جانے پر رضامند نہ ہوئی۔ ہاڑے کہا: "میں بہت ہو گیا ہوں پھر ایک ایسا ہے اور اس کی بڑی اس کی زندگی کا واحد سہارا ہے۔ خدا کے لیے میرے ساتھ چلاؤ۔ میں ہر ممکن طریق سے آپ کی خدمت کروں گا۔ آپ تو کوئی عیافت نہ ہوگی۔ مجھ پر اتنا رنجیجیے۔ میں ایسا آدمی نہیں۔ میں کبھی جگہ میں ہر جگہ پر چلا چکا ہوں۔ میرا جتنا بھی فون میں ہے۔ آپ مجھ پر احتجاج کریں۔ گھر میں گھر میں آپ کو اپنا ڈھانچا دے کر بیٹھتے۔" راجہ پر انھوں نے لی ہوئی چال جن کی چھیناں اٹھا دیں گا۔ خدا کے لیے میرے ساتھ چلیں۔"

گھر سب تہیں بیٹھ گئیں۔ ایک آئے انھیں مٹا کر کہ۔ "ہاں! ہمیں تمہارے چل چلن پر اعتبار ہے لیکن ہم تم کو یہاں سے نہیں ہٹا سکتے اور اگر تمہاری بھی ہوتا ہے پوچھ کر تمہیں کہ۔"

اس نے اجالہ کی طرف اشارہ کیا اور تیزی سے انھیں بھیج دی۔

ہاڑے کہنے: "آپ کوئی سہولے لیجیے۔ ٹیکسی لے لیجیے۔ میں کرایہ اور کروں گا۔ دو گنا کرایہ دوں گا۔ آپ کوں میں نہیں دینے کا وعدہ کرتا ہوں مگر میرے ساتھ ضرور چلیں۔ پھر کی ہوگی پناہ لیجیے۔"

"نام ہانا۔" اور تین سوئیں سے پیٹ نہاں ہو کر کہا۔ "جب ڈاکٹر لوگ نکلیں جاتے تو ہم کیا کریں۔" چار یا پانچ سوئیں نے کہا۔ "ہاں! اپنی ہوگی کا کردہ کرو۔ اچھی ہو جائے گی۔" اور ماری ترمیم کھٹکتا کر پس پڑیں۔

انگریزی والی میں اجالہ اور زبات ہوئے ایک آنسو کرنا کی طرح اس کی آنکھ سے لپکا اور ڈاکٹر کی سفیدی میں چلا۔

راہیں تھوڑے کچھ دھڑکنے کی چپٹے سے کد کر اٹھا۔ اس طبل کی گھاتی پر جھیز چڑھنے گا۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ پناہ کے اور اٹھنے اٹھنے کے بالوں اور کالوں کے چپے ہوئے چڑا۔ اپنا ایک طبل اٹھ گئے کے پاس پہنچی کھنٹی سے اور اس کی دھنکی جانی باقی ہو چکی ہے۔ ہاڑے دوزخو ہو کر اس کی دھ سے کچن لپکا یا کوئی آواز تھی۔ اس کا ہاتھ چھوڑا اور برف کی طرح رخ تھا۔ ہاڑے کھنٹی ہوا جیسے بہت سی سکپاں اور آہیں کھنٹی کے سر سے گھو رہی ہوں۔ جن میں ہاڑے کی پناہ کی کثرت سے چڑا۔ اس نے بڑی نرمی سے اٹھنے کی مٹھی کو کھولا۔ سونے کی مٹھی سی عیب بدھم روٹی میں جھنکے کی کوشش کرتے تھے۔ جب ہاڑے کے ہاتھ میں ہاڑے اور اس کا بے طاقت چہرے سے پناہ کے ٹپکے چھن رہا تھا تو جالہ موٹھی سے ماہر اس میں ہوا رہنے تھا۔ پناہ پر جا کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ رات رات میں ہاڑے خود ہی خبر گیری اور اٹھنے کو اس میں شل نہیں لیت کر لہجہ میں اسرار دیا۔ پھر دیکھا کہ مسوور کھنٹی کے پاس تھیں پر بیٹھ گیا اور جلاوت کرنے لگا۔

میں جب مسوور نے پناہ۔ "مٹی کہاں ہے؟" تو ہاڑے جواب دے کر کہیں نہ ڈاڑا 15 آئے تھے اور مٹی کو مٹا دے گئے۔ اب وہ اگلے بیسے راتوں اٹھنے آئیں گے۔"

مسوور بدھ سے لگا کر "ڈاڑا آئے تھے تو مجھے کیوں نہ بھلا۔ مٹی کو اکیلے کیوں جانے دیا۔ مجھے ساتھ لے کر کیوں نہ گئے۔" اور جب بدھ نے سوائے پناہ آ کر تو ہاڑے نے اسے اٹھ کر کدھوں پر اٹھایا اور ہوا۔ "جس جگہ میں چلا چکا ہوں۔"

"طلدی کر دیا جلدی کر دے۔" ہاڑے نے ایک بڑھیا کی کمر میں داخل سے لہجہ بڑھایا اور اس کے سر پر کھنٹی ہوئی فرنگی زمین پر گر گئی اور وہ اٹھ کر جوان سے جا بڑھی اور پیٹے کے پاؤں

اس کا سر ہنسی و سہجہ نہ ہو سکتے ہوئے رو رہا تھا۔ بزرگ کا کٹ پیٹے لٹلی آنکھوں والا فرقہ ہوا۔ اس کا باپ اعتراف کے کبب پر پست آفس سے تازہ بھوار باجوہ کو اور اس کا بابا اپنے خاندان کی واحد امانت کو اپنے اہل خانہ کے لئے کھانے پر اٹھائے گئے تھے۔ چاہتا تھا کہ کوٹھن کی کھنگھوں سے کتنی مرتب ہو گا۔

پلیٹ قلم پر بیٹے جیسے ٹم ہو گئی مگر کوئی نہ آئی۔ بلوئیوں کا ایک گروہ تیز سے چوکاٹا اور گیس سمٹا تا آئینوں کے پہلو سے گذر گیا۔ ان میں بہت سے گارے تھے، بہت سے گالیاں دے دیتے تھے، دانی بک بک کیوں کی طرح آوازیں نکالتے رہتے تھے۔ عموں سرخ روناؤں میں سروے کر بیٹھ جھگڑا، مردہ جھکس، ننڈو کرکڑے ہو گئے۔ روشنی میں کیلے کا شہا سائیر بڑھا اور ان کے پاس تاریکی جگمگاتی تھی، اگلے گارے میں اگلے گارے میں دے دی تھی۔

مسعود نے کہا: "بابا مجھے پاس لگے ہوئے۔"

بابا نے چپکے کر کہا: "ابھی بلائے جا رہی تھی، ابھی آئے گی، تڑپتی ملے گا۔"

"گامزدی کب آئے گی بابا؟"

"ابھی آئے گی۔" اس نے مسود کو اپنی ٹوٹتی ہوا پیشانی اٹھا دیا، اس کے سہمے ہاتھوں میں

باجھ بچھرتے گا۔

ایک اور انجم بزرگ لٹی کے نرے لگا کر پلیٹ فائرنگی طرف بڑھا، اسے دیکھ کر پہلا گروہ پلیٹ آگرمی کے حکم کا انتظار نہ کیا، چپکے چپکے شور مچا، آواز اٹھانے لگا، وہاں تو روشنی میں اضافہ ہو گیا۔ کئی جوانوں کو بھاگا، کئی نے ہاتھوں کا رننگ کیا، بہت سے دریا کوڑے مارے، جو باقی تھے وہ کھٹے کھٹے خون کی چکن بہت سے سپاہیوں کے گدڑاں اچھی طرح جھرتے تھے، اور ان کے اوپر انہیں میں گھر گھر کر دیتے تھے۔ دریا کے پاس ڈنٹیں اب بھی پھلتی تھیں اور حلق ہوا، یہیں بھی چل رہی تھیں، لکڑیاں ان کے ارادے منسوب تھیں۔ ہاتھ کوٹش ہو چکے تھے، چہرے جل رہے تھے۔ مسود بے کس شوکر سے قہقہے سے جھپکا اور اس کا سر لوہے کے ایک بڑے بچے سے

برمی طرح ٹکرایا۔ بابا کے فریضے میں اپنے پر ایک اور گمراہ شہب نامہ ہوا، اس کی سفید ازگی کو بھر جاتا تھا، وہ فرش پر لبت گیا۔ اس کی کمر کا ایک باؤ بھر عینوں نے پڑھا اور اس کے کندھوں سے بہت سے بڑے چٹ مٹے۔ تو کی گھٹکیں گئی۔ پلیٹ باؤ پر خاموشی چھٹی اور تیز ہوا چلتی گئی۔ شہب کے درخت خاموشی میں سرسرائے، وہیں جا چکی تھیں، انہیں شہب خون سے لڑتے تھے اور گوریلوں کی

تھے اس کی تڑکی آہستہ آہستہ ٹھنک کر ایک چپکے گھبراہٹ گئی۔ یہ جانوں کے تاملے ٹڑنے پڑے تھے اور بہت سے کڑواؤں ٹوٹاؤں سے اکھبر لو گیا تھا۔ وہ ان کے اندر دیو، باہر خالی دیووں اور دیووں کے ہتھیار لگے تھے۔ اندامہ جبر اتھا، باہر شہابی گرومکریب کے جھوم کی طرح ٹپک مانی سورن کے گرد مڑا، وہ جھپکی... خاک کے ڈھانچے چنگاروں کی طرح گرم اور جیسے کی آئینوں کی طرح ٹوکے پیسے سے تر جیسوں میں نشروں کی طرح اڑتے تھے، چارے تھے۔ اس پر وہ انکوں کی سنیان جاتی تھیں، ان کو دین میں جنوں کی تڑکری بازو صاف انسان تھے، سر سے کسب برداشت کرنے لگے۔ بچے پاس کی شدت سے چلا رہے تھے۔ ان کی ماؤں کا ایک ہاتھ ان کے منہ پر پھنچا ہوا تھا۔ سورسار برقعہ سنیان بڑھا۔

تیزی! تیزی! تیزی! ہندوؤں کے قاتلوں کے ہاتھوں سے انہوں کی بارش تیز اور گھٹیاں کی بو چھا رہی تھی، مشرقی قلاب سے مہاراجا کا قہقہہ مرک میں ٹھہرا، ان ٹکٹک جوتے برسنے اور بڑے پیرا تہا آئینوں کی طرف بڑھا، ایک سفید رنگ کی بو تھی اس پر سیاہ رنگ اٹھانے باچنی ہوئی بھاگ دی تھی، خوف اسے تیز قدم اٹھانے پر مجبور کر رہا تھا۔ پہلی مرتبہ پورا ٹیکے سر جھٹکے منہ بازار چلنے کا احساس دل کی تیزی کے ساتھ ساتھ مضبوطی کے اور چڑھاؤ میں گھٹت ہوا گروہ ہاتھ۔

جائے پچھانے ہوئی نے اس کے فریب نہ کر کہا۔ "میرے عدلے جاؤں کڑو ہماری ٹکٹک اٹھا کر مے۔۔۔ چلی آ گیا بھی کیا۔" اس نے ٹکٹک جھگے دے۔ دیکھ مینی جھانپاں تالیاں بھاری ہیں۔۔۔

تڑکی ٹوکھڑا تڑکی ٹوک کا دنا اس کی پھٹتی میں لگا۔ خون کے لٹرے ایک دوسرے کے پیچھے سرعت سے بھاگتے گئے۔

"ہائے! ہائے!" ہوائی نے سر جھٹک کر کہا: "بیٹا، میں بھی کسی طور سے نکل جاؤں، موائے سائے

والہ! تم اور انا گھر کی بڑھی کی طرح جھٹکے لگیں۔ ہائے! سکیاؤں بھری۔" اور پھر وہ اپنے بہت چاہنے لگا۔

بابا مسود کو چھ پر او سے ملدی جلدی قدم اٹھا رہا تھا۔ سپید کے نگرے اس کی سفید

واڑھی سے جھٹکے گئے۔ مسود کے نکتے ہوئے پاؤں اس کی چرچاں چلے جوں سے نگرے رہے تھے، وہ

ہوئے اور ان کی طرح نکل کر بھاگ رہا تھا۔ وہ دھڑکتے ہوئی تھی، راستہ کٹ میں وہاں اور



غزلوں کی بڑا لہجہ انہیں اور علامہ آزاد حلال خرمی کی جھونپڑیوں کے چھپے چھپے چہانے و چہد کی آواز میں ڈھمکے، دیوار کے چھپے چھپے دیوانی کا جیسے اظہار کالے آنے آئے چھپے چھپے دیوانی اگلے دیے۔ چہان کی دیوار بلند بیانی اور چہان کے نیچے ان کی زبان کے گھنگھے شرم کے چہان پر اسے چہان پھوڑ کر دے گئے۔

آصف کبہ واقع سوات وریٹے سے اپنی گرم ہوئی بھی کہ کہ بولہ شکل سے ہزاروں بولے  
فجاعت سے گھوڑا زابا جاتا۔ اور بڑے سے بڑا بی بی طرح کی اس ہے تھے۔ صرف اچھا ہوتے  
سے کالی اور پھر تار اور مینا سے سرو اور بڑے کچھ کرنا۔ جب کالی ہو کر اچھے کوئی  
جوبلی فائبر ہو تو اچھے نے اسے کچھ کرنا اور اچھے نے اسے کچھ کرنا۔ اس کی نگاہ نے اسے پہلے ایک  
گولی نے اس کی کھینچ کر کھڑا کر دیا اور اچھے کوئی کہتا کہ اس کی جگہ لیتا گیا۔ آصف نے گولی کی یہ  
انگوٹھی آواز میں کر دیا اور اچھے نے اپنے ہونے پر ہونے سے کہنے لگا۔ "ابا! آپ ہمارا  
خاص۔ میں وہاں جا رہا ہوں۔" اس نے جبکہ کور کے لیے طرف اشارہ کیا۔

”لیکن احمد... اس کے باپ نے اپنے ہی اپنے بڑے اچھے صاحب گھما کر رکھا“۔

[illegible]

ہے۔ دانشاں، جنگ ادا ہے، علمیں بلور، پتلی پر پھرے، ہرے ایک ہمارے سے کچھ کچھ  
ہو گیا ہو اور اگر اسی خوشی، خوشی ان کے سانسوں کی، ادا ہو گئی، مخلوق کو روحی، دینی، شہر اسباب  
کوئی تاؤ، بھرا ہو، کا تو نہیں، خا کر کہا، "چنا، نصف ادا چاں جس مونی، گدا انا بھول گئے۔" اس طرح  
اس فانی مری سکوت میں، داسا، زخاں چہا ہو جا، جیسے فرابے کی، مہر کی، غفلت کی سرخ آنگھ سے  
کوئی، تو نہ پتھر کے، اگر پتھر، نصف بڑی، چوٹی میں سے، ادا کو، دس، وحید کے آگے، لڑا، چا، ادا، اور  
کھڑے، زانو سے، من کا، پسند، پر چھ کر، گلیوں، گئے، گئے، گئے، جب، بکا، خشم ہو چکا، تو، خد، غم، اند، کی  
ایک، بڑی، سر، کا، رسا، دلو، داس کے، چھپے، وال، ہے، ادا، اور، خا، کھڑے، ہما، کر، با، چا، ادا، آ، ہے، در، ادا،  
بہ، ہو، جا، تا۔ دیکھنے، کا، شعلہ، لہ، جس، انا، جاتا، اور، آ، ہنہ، ہنہ، قدم، رکھتے، باہر، گئی، میں، صبح، جا، تے  
جہاں، کچھ، تو، گھمکھ، سو، نہ، ہوتے، اور، فانی، آخری، کر، دیش، دل، رہے، ہو، تے۔

[illegible]

ملہ ہوا دیکھتے ہوئے ہر شخص کو یہ حال لگا کر نہ ہوا۔ دلی فریج آسوں کے چمپڑے سے مودار ہوئیں۔ ان میں سے اکثر چمپڑوں پر مودار تھے جس سے پاس بند و خوش اور انہیں تھیں۔ ہائی ہائی فیروز کو دیکھو اور اس سے صلح فرمے نہ سکتے تھے۔ آدھے تھے۔ گاؤں کو اس طرح خاموش دیکھ کر انہوں نے شاید یہی اندازہ کر لیا کہ اسے دالے گئے تھے۔ مگر جب سامنے مندر پر رکھی ہوئی بوڑیوں میں سے ایک کی لپکی اور سامنے والے مودار کو سمجھ جاتی تھیں تو لگی ہوئی ٹوٹا کھانے لگا۔ جو اب خاموش ہوئے۔ خروار کی آواز میں فوٹی کی گئی۔ یہ سننا ہوئی اور انہوں نے دیکھو سے بہت سے ہندو کش ایسا نہ ہوئے لیکن دیر میں ان کی آواز اچھا نہ ہو سکی۔ صبر ہلکے کی صبر صبر ہوئیں۔ خود فرمے۔ سلام ہوئے۔ پٹانوں کی طرح پھرتے۔ عرض رفتی کو اب کاٹنے لگے۔ دھوپ کی آواز میں بھی ہر دوسروں کا بھلا جانا ہوا تھا۔ دوسروں کی کشنہ ہائی کاٹنے ہوئے جیسوں کو مٹائی پھرا دھوپ ہوئی تھی۔

کچھ حملہ آور کئی سکڑا کر ٹوٹے کی طرف بھاگے۔ آصف نے الہ دین کو مارا۔ چڑ سے







مجھے۔ اس کے بعد اسے اماں باں کی موت کے دور سے پڑنے لگے اور بت نہایت تھک چکی کئی اکثر صاحب کو سنا اور صبر ہو گیا اور یہ باتیں موراڑا تھا۔ سب چیزوں سے ٹینڈ پیاری تھیں۔ فوراً نکل نکلا کر ودائی کی پہلی سمیت اس کی اماں کے چکر بھجوا اور خود برآمدے میں چارہ کی کھچا کر کھوکھو سمیٹے۔

گڈوں پہنچے ہی آصف کا بخارا اتر گیا اور وہ چند دن صرف اسی لیے بہتر سے نہ اٹھا کہ اماں کی نظر کریم نور ابدل جانے کی نین اسے (بڑے فوراً لے کر جانے پر ایک دن کے سے بڑے بھائی نے اس کی جگہ لے لی تھی۔) ایک آدھ دن تک تو سب اسی خیال میں رہے کہ "مولیٰ بخارا ہے اتر جائے گا۔ پر جب نمبر بچہ بڑھتا گیا اور اس کی حالت غیر ہوئی گئی تو ڈاکٹر صاحب کو ہوا اچھیا۔ او اسی دن شام کو باں پہنچے گئے۔ بچے کو دیکھا۔ قرعہ ہی ڈاکٹر کو بلایا گیا اور اس کے ٹیکے لگائے شروع ہو گئے تھوڑے عرصے میں بخارا اتر گیا اور شروع سے لینے پاس سے گزرتے والے ہر آدمی کو تک تک دیکھتے دکھا۔ ڈاکٹر صاحب نے جانے کی تیاری شروع کر دی تو آصف بھران کے صراہ تیار ہو گیا لیکن ڈاکٹر صاحب نہیں دئے۔ وہ دہنے کا تھک کر دیا گیا۔ اس نے اماں سے کہا تو وہ بھی جھپٹا کر پوچھیں۔ "کیا گھر کا باں جا کر؟ پہلے کون سی ایسی خاطر ہوئی جواب پھر تیار ہو گیا ہے۔ ایک بار جو شرابا خری نے لے گئے تو وہی پر ہموں پیٹھ۔ ذرا آٹیکے میں اپنا تھوڑا کھانسی کا کٹھ بٹا ہوا ہے۔ دو دن بخارا چلا اور اٹھا کے میرے پاس آگیا۔ دلہن کی کمری کون والے گھر اس باں کو دل اور اپنا کھنور۔ پھر کوئی تھک سے پوچھے۔ جب وہ میری کمری میں شوقا کر بیٹھتا ہے گا: ایک تو نہ کی روٹی کیا چھوٹی کیس مولی۔ اسے اپنے مکمل ٹھیکے سے فرصت ہوتی تھی کہ گیری کرے۔ وہاں کی چیز کی سے یہاں کی روٹی اچھی۔ میرے چھنوروں سے وہاں کی سوئی ہانڈی ہائیں ابھی نہیں؟ جہاں میں آنت ک... کوئی ٹھنڈا لٹی پڑی ہوں تو بھی پیچھا ہو کے پیٹا رہ۔ ٹھلوں کے خواب دیکھے گا تو جھوپڑ سے کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔"

وہ تو شاید اتنی ہی چھڑی تھی کہ نہ تو کمرے میں آکر صاحب جو ساتھ سے غسل خانے میں دانت صاف کر رہے تھے صرف انہیں سانے کی غرض سے ڈاکٹر کو بھی انہما اور خنوروں کو بھی لپسا کرنا پڑا۔ ایک میں کپڑے ڈال کر ڈاکٹر صاحب نے آصف سے کہا۔ "نورا تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔" اماں کے مد سے یہاں تک اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ جہت چھٹی سی تھوڑی بات وہ کرے کہ ایک کے پاس لاکر رکھ دی انہیں گاؤں سے مکی کی نسل کو بڑھ سکتا تھا۔ ڈاکٹر

دلہاں دوران میں آصف کو باں کے سوتیلے چن سے زیادہ اوسلر کی یاد پر غصہ آیا جو دورہ کر اس کے دل میں ڈکیاں لگا کر اسے بے چین کیا کرتی۔ جاتے وقت اس نے جیم بخش کا جھنڈا ہم کر کہا۔ "مجھے پھر ابا کے پاس سنے چلو۔" تو اس نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ چھیرا اور بولا۔ "اماں سے پوچھا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

آصف ذرا بہت اول کے پاس گیا اور اس سے اپنا ماہو دلہاں کر گیا۔ دو ابھی اس کے بڑے بھائی کو بیت کر بھیجی تھی اپنا کر پوئی۔

"جاؤ جاؤ اٹھا کے لیے سب اس کے پاس پہلے جاؤ۔ دن دو جاؤ۔ امر جاؤ۔"

آصف نے اس کے غصہ سے فائدہ اٹھایا اور ڈاکٹر جیم بخش کے ساتھ ساتھ ہوا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب نے آصف کو تھک گیا لیکن جیم بخش کو ابھی جھاڑ جاتی۔ وہ جہاں ان کی اپنی جھڑکیوں کو بند سے لگائے پڑے تھے ایک اور کھچی اسی کھاتہ میں بیٹھ کر گیا۔ اب آصف کی تعمیر میں پہلے سے زیادہ چلتی ہوئی جانے لگی۔ اسے بہت زیادہ کام دیا جاتا۔ رات کو کھڑا کر کے کھیتی اور تعلیم یاد کرانی جاتیں۔ دن میں دو چھتیاں کھنوائی جاتے تھیں اور جیم جلدی اٹھایا جاتا۔ اسے اماں کی قدر و قیمت اب معلوم ہوئی لیکن اس تک پہنچنے کی کوئی تہس نہس تھی۔ میرے شروع میں جیم بخش پھر گاؤں گیا مگر اسے پہلی ماہیتنے کی بہت نہ ہوئی اور وہ بہت کچھ پیتے تو اسے اچانک کبھی نہ ملتی۔ اسلم کے ساتھ تھیں پہلی سو اب وہ غلط نہیں رہا تھا۔ بہت تھوڑا وقت تھا اور بہت کم بائیں ہوئیں۔ ان کے گھر جانا بھی موع قد اس طرح سے بہت سے اپنے تھے جو اسلم کی بی بی نے ابھی اسے نہیں سنا ہے تھوڑے پہلے سے پہلے ہی مسک مسک کر سو تو گئے۔ اس دن بھر کی معروضیت سے شک آکر آصف کا دل چاہا کہ چند دنوں کے لیے یہاں نہ جائے اور مزے سے لیت کر ان سبھی دنوں کو یاد کرتا رہے۔ جب اس نے ہا کر دیکھا تھی نہیں تھا لیکن اسے یاد دہنے کا کوئی مناسب وقت ہی نہیں آتا تھا اس لیے وہ اسی طرح آٹیکے ہائیں ٹانگیں کرتا ہا اور اپنے ہی پھر سے پھر سے اس کے سر میں زور کا روٹا اٹھا اور وہ بتارے لیت گیا۔ سرور کی شدت ہو بخارا کی حدت سے آراستہ ملارو چاؤں تک تو ڈاکٹر صاحب خود وہاں روکتے رہے۔ اس کے بعد ایک جمعے کے جیم بخش کے ساتھ مولیٰ ہسپتال پہنچ دیا۔ وہاں سے آئی ہوئی روزانہ میز پر تھی مگر مفید نہ تھی۔ آصف جیم کی میں جیم بخش سے بڑا ہا گئے تھا اماں کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ اسے کوئی پروا نہ تھی۔ ایسے ہی ایک دن اس نے فورے ڈرے اپنے ہا سے بھی کہہ دیا مگر وہ کھائی سے نال





گھوڑی بھی آصف سے بہا کرنے کی تھی۔

وہ اسی جگہ ٹھہر بیٹھا اور اس کے لڑکے سے گھوڑوں کے متعلق باتیں کرتا رہتا۔ بعض اوقات ڈاکٹر صاحب بہا دہو کر اسے کورٹ میں نہ پڑنے نوامیہ پڑاں اسی کی باتیں سننے موٹی خٹے تک چلے آئے اور درمیان تک کھڑے سننے رہے لیکن ایک شام بیجا دہو بھی نوٹ مہربا جب ڈاکٹر صاحب نے بیجا دہو کا دانی ساڑ باٹیں بھی ان کے ساتھ بھی کرے اس وقت وہ درمیان میں غلط سے چٹکی والی ٹیبلٹ پر بھر کر پچھلے کو کھانے چلا ڈاکٹر صاحب اخبار کی رٹ میں سے لے لے "بنا چھوٹے بچے رات میں کھاتے۔"

"اچھا جی۔" "کہہ کر اس نے وال ٹیبلٹ میں ڈال دی۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر کہا۔ "جب بڑا ہو جائے گا تو نہ کھائے گا۔ ابھی تو بچہ وال کا دہو ہی پینڈا گا۔"

"اچھا جی۔"

"میں نے اچھا لگتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔

"میں جی۔" "وہ لڑکھا۔

"مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے۔"

"اچھا جی۔"

پھر وہ بچہ ڈاکٹر اندر سے میں کھٹک گیا اور دروازے کھول کر نظم پڑھنے لگا اور ڈاکٹر صاحب سوچنے لگے۔ اگر میں اسے نہ دیکھتا تو کتنا اچھا اور اگر میں اسے نہ دیکھتا تو اس سے بھی اچھا۔ لیکن اب یہ کیسا غماز آصف نے پچھلے کے پاس جانا گھوڑوں۔ گھوڑی بھی سی آرٹ ہو کر پچھلے کے پاس میں دیکھتی تھی اور اس کا بچہ وہاں پر بیٹھ لیتا اپنے سونے کی کوا کے کونجاں کھاتا رہا لیکن آصف ان چھوٹی سی دردی پر دیکھ کر کہنا چاہتا رہا۔

بچوں نے لیے ال کے کپڑے اور

سبا گھاس اور ادھ دوا مار

اور جب وہ بیمار ہو کر اسی کے سے ساتھ اسے عارضی جاتا تو بھی جب بڑا حال اپنے پیچھے کے جگہ سے صبح آصف کی زندگی سے جب کہ رقم لے لے گا تو زلی کی پتی اپنے پیچھے میں جھول بیٹھتے ہوئے نچے اور نچے گا جی

مسافر غریب ایک اسنے میں خدا

لاوے کیا۔" اور پھر زمبابو میں گھوڑی کے بانڈ ایل کر اسے دوا دے بانڈ دیا۔

اندھا جا کر لاوے کر لی اور کر دیا اس کے میں میں ڈال دیا اور وہ دیکھا جائے دیا اور میں لگنے ہوئے آئی تھو میں اس سے گھوڑی کو دوا دے بانڈ دیا۔ آصف اندھا آئے دیکھ کر گھوڑی پچھلے کے پاس سے فرش کھنڈوں کی پلین آصف ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی ایال سے ننگے پٹے کئے۔ جب پچھلے کے پاس کی بانڈ صاف دکھائی دینی۔ جسم کے بال ریشم ایسے طالع اور ان کی طرح پتک ۴ دیکھ کر گھوڑی کی پچھلے خود بخود پھڑک رہی تھی۔ آکھیں۔ ان کی ایک نئی تھی اور نرم نرم سم چند کے بے بے سے گھوڑے معلوم ہوتے تھے۔ اس کی دم سبکی اور پٹن سدا

آصف نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ پھیرنے ہوئے کیا۔ "لاوے پچھلے میں لوں گا۔ ابھی سے کہہ کر چھوٹی سی زین جواں گا اور پھر میں اس پر سوار ہو کر اس کی پیاس جاؤں گا۔"

لیکن میں اس کا غور نہ کیا۔ شام سے پہلے یہاں دیکھا جا کر اس کا۔

لاوے بیٹھ گیا اور پچھلے کی گردن سلانے سے بے زلہ۔" میں نے پچھلے پنا غور کیا ہے۔

صاحب کا ہے۔ ہاں ڈاکٹر جی فرجس تو دیکھا ہو سکتا ہے۔

"میں ابھی سے کہوں گا۔ ابھی مجھے خریدے نہ ہیں بچہ۔"

"خود پڑا گیا ہے نہیں ہے۔"

"پر کہا لڑا۔"

"پر کیا کہ۔۔۔" فرجس نے فرجس کو دیکھا نہ میں لگے۔

ڈاکٹر صاحب ابھی مول کی پچھلے سے کر رہا ہے۔ بچہ کھو آصف کو اس طرح بولنے دیکھ کر ٹھٹھک گئے اور جب آصف باہر لگے لگا دو ساتھ کے کمرے میں جہاں ایک ناگہ نوٹی

بجھتی تھی وہاں چھپ گئے۔

شام کو انہوں نے صاحب کی بہن خوشدین کیس کو اور پچھلے کے مگر اور نہ مانا لیکن

اس نے دیکھ کر کہا کہ جب تک بلا لگے گا اس سے باہر بھرنے جائے گا وہ پچھلے کو لکھ کر میں

لے جاتے گا۔

اور پھر جب ڈاکٹر صاحب بڑا دھم میں لپٹ کر سوجانے تو آصف پٹیکے سے اکتا

اور پچھلے کے کمرے میں چلا جا دیا اپنے بچے کے ساتھ دیکھتے تھے۔



انی

دینا۔ صاحب کے لیے عید کا وضع دیا تھا کہ ان دنوں کی ملاقاتی نہ آوے گی۔ ایک لمحے کے لیے اس نے انی سے آنکھ بھرا کر تھک جانا چاہا لیکن اس کے ذہن جیسے زمین نے جڑ لے لیے اور اپنی چٹوٹی کی جیب میں انکی "مسلمان" دھریا۔ ایک انی نے اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے سامنے ہاتھ رکھتے ہوئے زنی۔ "اوسوئی تم کہاں؟" اس نے فوراً اپنی جیب سے ہاتھ نکال لیا، ایک میٹر کا ڈاڑھا کر ڈالا۔ "میں انی میں تو نہیں ہوں۔"

"کب سے؟" انی نے تجربے پر چھا۔

"تقسیم کے بعد سے انی میں بھی یہی ہلا۔ دل اور دل اور دوسرے لوگ بھی۔"

"لیکن مجھے خبر۔ اور کیوں نہ ہلا۔ میں نے تمہیں کتب بھی نہ دیکھا۔"

اس کے جواب میں وہ لڑا مسکرا کر اور عید کا ڈاڑھا سنا۔ اپنے کٹے ہوئے ڈاڑوں پر مارنے لگا۔ دکان کے بڑے نے بڑے ادب سے کارڈ اس کے ہاتھ سے لیا اور اسے پیڑ پر بھیج دیا۔ دس کارڈوں میں ڈال کر اٹھ چلا گیا۔

انی نے اپنا پس کھولتے ہوئے پوچھا۔ "اب تو انی ما سے نہیں جھگڑتا؟"

مسعود شرمندہ ہو گیا۔ اس نے عید کا ڈاڑھا ہاتھ میں جاکر کہا۔ "میں تو... میں پہلے

بھی اس سے کب جھگڑتا تھا۔"

انی نے کہا۔ "ہیں تو دست کب۔ پہلے تو بہت بات پر اس کی جان کھانا تھا۔ پھوٹی

چھوٹی باتوں پر لڑا۔ ہر پا کر دینا تھا۔"

اس نے صفائی کے طور پر انی کے ہیرے پر ہاتھیں رکھ کر جواب دیا۔ جب تو میں جھوٹا مانتا انی۔ اب تو وہ بات نہیں رہی نا۔"

لیکن اس جواب سے انی کی تسلی نہ ہوئی اور اس نے بات بدلنے دے کہا۔

"میرا دوست فرخ کے چلا گیا انجمن ترقی کی تعلیم دے۔ یہ عید کا ڈاڑھا کے لیے ٹریڈ بھی تھی۔"

"کہاں؟ انگلینڈ چلا گیا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔ "جیسی تو وہ مجھ سے لائنیں۔ میں

بھی سوچ رہا تھا۔ اسے کیا ہوا۔ یہاں ہوتا اور مجھ سے نہ ملتا۔ کبھی حیران کی بات ہے۔"

انی نے آہستہ سے ابراہا۔ "ہاں اور انگلینڈ چلا گیا۔ انکی دو سال اور جب رہے گا۔ یہ

عید کا ڈاڑھا کے لیے فرخ ہے۔" اور اس نے کا ڈاڑھے بڑھا دیا۔ اس پر فریب لگتی اور انی اور

بھر کے دو نہیں اٹھا دیکھتے تھے۔

مسعود نے اسے ہاتھ میں لیے بغیر کہا۔ "انہیں یہ عید تک اسے کہیں نہ سکے گا۔ عید تو

بہت قریب ہے۔"

انی نے انوں سے کہا۔ "ٹکا تپیشن۔ میں بائی ابوزیلا۔ تو جج رہی ہیں۔"

"لیکن بائی ابوزیلا بھی یہ دن صرف تپیشن سکے گا۔" مسعود نے جواب دیا۔

انی نے کہا۔ "تو کیا ہے۔ اسے تو جانے گا۔ ایک آدھ دن لیٹ سکا۔" اور مسعود

کے کچھ کہنے سے خوش رہا۔ "کبھی بارے گھر تو غائب رہا رہی نے انیم۔ اسے کا امتحان

دے دیا ہے۔ ضرور نا عید پر ملے نا۔ ہمارے کٹے ملتا تھا گے۔"

جب انی مسعود کا پناہ لکھا کر چلے گئے تو اس نے اپنا فون غیر جاتے ہوئے کہا۔ "آئے

سے پہلے مجھے فون ضرور کر لینا۔ میں اکڑ رہی ہوں۔ جتنی عید کے روز میں ضرور گھر پر

ہوں گی۔"

مسعود نے جے کے ساتھ ایک کونے پر فون پر بھی لکھ لیا۔ انی نے ایک مرد پر حیران

کے شانے پر ہاتھ بھرا اور انی ساڑھی کا پلہ درست کرنے سے انی کا کان سے نیچے اڑ گئی۔ مسعود

نے بھرا اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر انکی کوڑنگی میں چکر لیا۔ دین سے صاحب کے لیے عید کا ڈاڑھا

انتخاب کرنے لگا۔

مسعود کی ماں نے اپنے ناندی کو اس کے ایک مال بدعتی اپنے کسی دور کے سنا دیا۔

تہا انی کی تھی۔ اڈال ڈال تو اس کی دوسری سوانح کا مشہور مسعود کی تعلیم اور بہت تھی لیکن اسے









کبھی کوئی خاطر خواہ جواب نہ دیا۔ ان خاکہ کار خاستوں کو جانتا کہ ”میں نہیں کہیں رنج ہیں۔ مجھے علم نہیں۔“

افتر سے فارغ ہو کر مسعود صبرِ عافی کے یہاں بیٹھتا اور رات کو ہر تکبہ دھرا دھری سب مسمیٰ نہیں پانگتا دیتا۔ ویڈیو کوئی کتاب پڑھ دیتی ہوتی۔ اور وہیں مرتبہ تیرہ گناہوں سے اپنی اور مسعود کو گھورتی اور پھر منصب سے کتاب بند کر کے اندر دھکے میں چلی جاتی۔ جب چری مسعود کی کتھی سے باہر ہو جاتی تو دھڑ دھڑا کر اس سے قہقہے لگا کر اس کی پڑھائی میں خلل ہونے لگتا۔ اپنی کو پسند تھا کہ وہاں جان بوجھ کر بدی کو ٹھک کر باہر دیکھیں اس نے کبھی بھی مسعود کو منع نہیں کیا۔ ایک رات جب اسے جاغیں کرنے کا فی فی ہوئی تو اپنی ”اب نہیں سو دو۔ اس وقت اپنی دو دکھاں جا ڈگے۔“ تو مسعود جیسا وہاں اور اس رات کے بعد وہ مستقل طوط پر اسی کے یہاں رہنے لگا۔

چٹا کی پٹلی فطرت اور دماں کی لاپرواہی اس کی آوازوں زندگی پر ایک عجیب طرقت اثر انداز ہوئی۔ وہ پہلے جس قدر گم سم رہتا تھا اب اسی قدر ہنسنا دھکے لگاتا اور اپنے کھنکھن کی غرضی کا مذاکرا کرنے کے لیے اس نے جوا کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ پہلی تاریخ کو کھڑا ملنے ہی درجنگ و تادیک کو پھول میں سے گمراہ ہوا اس زندگی کی جس میں تیغ جاتا جس کے آخر میں دانے جھیرا اور پھولس کے دھیر ڈالے ہوتے۔ پھولس کو ایک طرف ہٹا کر مسعود اور صبر سے بہت میں داخل ہوتا جس کے پیچھے کچکی باتوں کی ایک لالچائی کو گھڑی کر کے نل کاہ پانی و غرض میں لیے اس کا ارتداد کر دیتی ہوتی۔ جیسا کہ مسمیٰ اور دھنن نشہ پانی کے فرش پر لیٹے ہونے اور دباں چھوٹنے سے وہاں سے کٹھنوں کے ٹوٹے ہوئے پتے سے لپٹ لگاتے ہوئے لے کتی۔ ”وہ کیا دلیچل آگیا۔ اور پرل شروع ہو جاتی۔ مسعود کا ذہن اور مدنی بل مائل کر ایسے ایسے صبر کے راتے کو بارے کی فہم گم آتی اور جب تک مسعود کی جھنکس غلی نہ ہو جائیں وہ سکل نہ پڑتی۔ دو تاس چھیلنے جاتا غلدی کی ڈھیراں لگائے جاتا اور پرل کیلے جاتا حتیٰ کہ اس کے خفاخسوں کے اس ایک جھدام بھی نہ دیتا ہاں اس کی جیہوں کا اس صبر دھگائے کی زبان کی طرح باہر نکل لگتا۔

اپنی کچھ تھا کہ مسعود کو کر ہو کر بڑا ہی ذمہ دار اور جسے بوجھا ہے لیکن اس بات کا اسے علم نہ تھا کہ پرل کیلے ہونے اس کی انگلیاں بھی قہقہے کی طرح چٹکتی ہیں۔ جرمینہ کی پہلی تاریخ کو اپنی اس کا سبز بھگا کر آدھی رات تک اس کا ارتداد کرتے ہوئے مسودا کرتی کہ گھر بڑھی

جیسی آواز اور گری کہتا ہوا گارا اس کی لپٹ لپٹی اس کا ارتداد ہی طرح کیا کرتی ہوگی۔ پھر مسودا اور گھر بڑا نہیں جس گمراہ ہو جاتے۔ اپنی اور لپٹ لپٹی ایک اور سرے میں دم نہ جاتیں اور شفقت لالچائی کا ارتداد کرنے لگتی۔ ورنہ اپنے سبز پر ایک دوسرے کوئی کر نہیں بدل کر آئیں یا دنگا ہوں سے اپنی کھوئی اور پھر صبر دہری طرف کر کے ہمسادہ لیتی۔

مسعود جب جاگ کے کرب پہنچتا تو بچوں کے گلے چٹکتا۔ سبز چٹکتا۔ سبز چٹکتا۔ والے پت کو آہستہ سے دھکے دیتا اور پھر اوپر والے ہو کر اسے ہی طرح بند کرنے لگتا کہ اپنی کچکر بھمنی۔

”ایکھاں آئے ہو؟“

”کہیں سے نہیں اپنی۔“ وہ بہم جاتا۔

”نمبر پر دوسروں کے ساتھ نہیں مارو یا عا۔“

”پتہ ہمارے کون سے ایسے دست ہیں وہاں بھی تو کھول۔“

”میرے افتر کے مسمیٰ بھی اپنی اپنی دلیچل کا میں ہوتی ہیں۔“ اور وہ فرام سے آ کر اپنے سبز پر بیٹھ جاتا اور اپنے بھٹے بھٹے لگتا۔ اپنی خاموشی سے اٹھ کر اندھا جاتی اور دست کہل کا پکت اس کے سبز پر بھج کر رہے ہوتی کہ مسمیٰ۔ ”میں آج باواؤ کی مٹی اور تیرے لیے ہلائی جی۔ آج ہی اپنی وادی کے لیے کہ لیتا۔“

اور جب وہ سبز پر بیٹھتا تو اپنی کہتی۔ ”یہ تو اپنے ہاؤں پر یا خاشاں کیوں خوب لینا ہے۔ لے کے سارے مجھے تیلی کی حدی بنا دیے ہیں۔ تیج ہونے سے تیرے سر پر اسزا پھروانی ہوں۔“

اور مسودا کوئی جواب اپنے بھیرے علیہ باواؤ اور تیرے کہل کے طرح میں صبر صبر لپٹ جاتا تو اپنی عمل کرتی۔ ”تجے مسمیٰ کہ میرا کہے ہوں نہ لیتا کہ۔“ تو کہل بدل دیا تو اس میں غم وال اس طرح لپٹے مجھے اکتاہٹ ہوئی ہے۔“

مسودا کو راتے ہلا کر دھکا دیا۔ لپٹ لپٹی لپٹان کی سانس لے کر لپٹ چدیل کرنے چلی جاتی۔

اپنی فکر بڑکا پر خط مسودا کو کھڑو دکھائی اور پھر اپنی مرتبہ اس سے دھکا دھتی کہ مسودا کو انجمن ہونے لگتی اور وہ خط چھپک کر باہر چلتا تھا پھر بڑے ہر خط میں باواؤ اور لپٹ کے مطالبہ ہوتا یا مگر مگر پڑاں اور وہ مگر مسمیٰ مسمیٰ چروں کا جن کا بندہ ہست اپنی دے انہماک سے کہا کرتی۔







یونہی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مسعود نے زور لگا کر چاقو باہر نکالا اور اسے پرے پھینکا۔ پھر اس نے خون آلود نوٹوں کی گڈی جیب سے نکالی اور انھیں کی کوشش کی مگر وہ اٹھ نہ سکا۔ پیٹ کے بل لیٹ کر اس نے نوٹ وائیں ہاتھ میں پکڑ لیے اور اپنا ہاتھ آگے پھیلا دیا۔ کہنی کو زمین پر دبا کر اس نے آگے گھسٹنا چاہا لیکن جونہی کہنی اس کے پہلو سے آکر لگی اس کا ہاتھ زمین سے جاکر آیا اور اس کی جیب سے ایک کروشیا نکل کر باہر گر پڑا۔ مٹھی میں پکڑے ہوئے نوٹوں کو دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”آئی..... می..... میں..... انی.....“ لہو کی آخری بوند زمین پر گری اور اس کی منہی ڈھیلی ہو گئی۔

اسی نے ٹھنڈے پانی میں انگلی ڈبو کر ایک قطرہ کٹ کیٹ پونچا تے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔ ”ابھی تک آیا نہیں!“